رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ

اے میرے رب! یقیناً میں ہر اچھی چیز کے لئے، جو تو میری طرف نازل کرے، ایک فقیر ہوں۔

ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

آبگینے

خواتین کا علمی، ادبی معاشرتی و مذہبی
سرگرمیوں کا عالمی مجلّہ

مُدِیرَہ

مدثرہ عباسی

انچارج بچوں کا گلستان / پکوان	انچارج گوشۂ ادب
عیشۃ الراضیہ عباسی	حمیرا نگہت

زیر انتظام عباسی اکیڈمی

سرپرست اعلیٰ و مدیر اعلیٰ محی الدین عباسی

شمارہ فروری مارچ 2022

جلد 3 شمارہ 6-7

جمادی الثانی/رجب/شعبان

هُـــــوَ النّاصر
خدا تعالیٰ کے فضل و رحم کے ساتھ

فہرست مضامین

درس قرآن کریم	3
اداریہ	4
حضرت فاطمہ الزّہرا رضی اللہ عنہا قسط اول	6
حقائق الفرقان	9
فضائل القرآن	11
تحدیث نعمت	14
عورت پر تشدد زمانہ جاہلیت کی ریت	17
پاکستان میں لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم ایک ٹیبو	18
انتہا پسندی کے اسباب اور تدارک	19
سسکیوں کی گونج میں زندگی مسکرائی ہے	21
راس آیا مجھے اشکوں کو وسیلہ کرنا	23
اقلیتوں کے لئے کشادگی کی ضرورت	25
نظام تعلیم تیرا اللہ حافظ	26
افغان خواتین وہ پہنتی ہیں جس کا اللہ نے انہیں حکم دیا ہے	28
لڑکیوں کو بااختیار بنانے میں والد کا کردار	29
بچوں کی پرورش اور غلط نظریات	30
افسوس	31
ذرا دھیان ادھر بھی	32
چائے یا قہوہ	33
خواتین کی ہراسانی کے واقعات میں اضافہ	35
ہر در و دیوار پہ لکھا سچ	37
ذہانت کی موت	39
کہانی چنار کے درخت کی	40
بچوں کی نگہداشت، حفاظت اور تربیت	42
کیا ماں باپ کا کوئی لاڈلا بچہ ہوتا ہے؟	44
انبیاء کرام کی باتیں	46
دنیا میں بکنے والے مشہور پکوان آخری قسط	47
بالوں کی خشکی کے مسئلے کا حل	48
صحت مند جلد کے حصول کے لیے شرطیہ نسخہ	48
آئیں اردو سیکھیں	49
شعر و شاعری	16-20 38-46

ایک دل شیشہ کی مانند ہوا کرتا ہے   ٹھیس لگ جائے ذرا سی تو صدا کرتا ہے

ماہنامہ
آبگینے
خواتین ڈائجسٹ

خواتین کا علمی، ادبی، معاشرتی و مذہبی سرگرمیوں کا عالمی مجلّہ

جلد 3 شمارہ 6-7 – فروری / مارچ 2022 – جمادی الثانی / رجب / شعبان

مدیرہ

مدثرہ عباسی

انچارج گوشۂ ادب

حمیرا نگہت

انچارج بچوں کا گلستان / پکوان

عیشۃ الراضیہ عباسی

اپنی تمام تحریریں اور قیمتی آراء درج ذیل ای میل پر بھجوائیں

@ ▶ aabgeene6@gmail.com
m.abbasi.uk@gmail.com

▶ www.aabgeenei.com

لندن سے جاری ہونے والا

ماہنامہ آبگینے آپ کا اپنا رسالہ ہے اسکی اشاعت و ترویج میں بھرپور حصہ ڈالیئے

زیر انتظام عباسی اکیڈیمی

سرپرست اعلیٰ و مدیر اعلیٰ   محی الدین عباسی

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللهُ لَكَ ۚ تَبۡتَغِيۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِكَ ۚ وَ اللهُ غَفُوۡرٌ
رَّحِيۡمٌ ۝٢ قَدۡ فَرَضَ اللهُ لَكُمۡ تَحِلَّةَ اَيۡمَانِكُمۡ ۚ وَاللهُ مَوۡلٰىكُمۡ ۚ وَهُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ۝٣ وَ
اِذۡ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعۡضِ اَزۡوَاجِهٖ حَدِيۡثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتۡ بِهٖ وَ اَظۡهَرَهُ اللهُ عَلَيۡهِ عَرَّفَ بَعۡضَهٗ
وَاَعۡرَضَ عَنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتۡ مَنۡ اَنۡۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الۡعَلِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ ۝٤
اِنۡ تَتُوۡبَآ اِلَى اللهِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا ۚ وَاِنۡ تَظٰهَرَا عَلَيۡهِ فَاِنَّ اللهَ هُوَ مَوۡلٰىهُ وَ جِبۡرِيۡلُ
وَصَالِحُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَ الۡمَلٰٓئِكَةُ بَعۡدَ ذٰلِكَ ظَهِيۡرٌ ۝٥ (سورۃ التحریم آیت 2 تا 5)

ترجمہ:

اے نبی! تو اس (چیز) کو کیوں[1] حرام کرتا ہے جس کو اللہ نے تیرے لئے حلال کیا ہے تو اپنی بیویوں کی خوشی چاہتا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بے انتہا کرم کرنے والا ہے۔ اللہ نے تم پر ایسی قسموں کے کھولنے کو واجب کیا ہے (جن سے فتنہ پیدا ہو) اور اللہ تمہارا آقا ہے اور وہ بہت جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ اور یاد کرو جب نبی نے اپنی بیویوں میں سے کسی ایک سے ایک مخفی بات کہی۔ پھر جب اس نے وہ بات کسی کو بتادی اور اللہ نے اس (کمزوری) کی خبر اس (یعنی نبی) کو دے دی' تو اس نے (بات کا) کچھ حصہ بیوی کو بتا دیا اور کچھ حصہ سے پردہ پوشی کی۔ پھر جب اس نے امر واقعہ کی خبر اس (بیوی) کو دی تو اس نے کہا کہ آپ کو یہ خبر کس نے دی ہے اس پر اس (یعنی نبی) نے کہا کہ مجھے بڑے علم والے (اور) واقف کار خدا نے خبر دی ہے۔ پھر اس نے کہا کہ اے دونوں بیویو! اگر تم اپنی غلطی پر اللہ سے توبہ کرو تو تم دونوں کے دل تو پہلے ہی اس بات کی طرف جھکے[2] ہوئے ہیں (اور توبہ کے لئے تیار ہیں) اور اگر تم دونوں ایک دوسرے کی پشت پناہی کے لئے کھڑی ہو جاؤ تو یاد رکھو کہ اللہ اس رسول کا دوست ہے' اسی طرح جبریل اور سب مومن اور علاوہ اس کے فرشتے بھی نبی کی پشت پر ہیں۔

تفسیر:

[1] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دفعہ ایک بیوی نے جس کے گھر باری تھی شہد کا شربت پلایا جو آپ کو پسند تھا۔ اس وجہ سے آپ دیر تک اس کے ہاں ٹھہرے۔ دوسری بیویوں کو یہ بُرا لگا۔ ایک بیوی نے جسے شاید شہد پسند نہ تھا' آپ سے کہا یا رسول اللہ آپ کے منہ سے بُو آتی ہے۔ آپ بہت نازک طبع تھے۔ آپ نے دل میں عہد کیا کہ آئندہ شہد نہ پئیں گے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور کہا گیا کہ شہد کو خدا تعالیٰ نے اچھا قرار دیا ہے۔ کسی بیوی کی خاطر اس کا ترک بُری بات ہے۔ بعض مفسرین نے اس آیت کی بہت گندی تفسیر کی ہے یعنی یہ کہ آپ نے حضرت ماریہؓ سے جو آپ کی لونڈی تھی صحبت کی اور پھر یہ بات ایک بیوی سے عہد لیکر بتادی۔ اس نے دوسری بیویوں کو بتادیا اور یہ بات پھیل گئی۔ یہ سب قصّہ غلط ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے کے لئے گھڑا گیا ہے صحیح واقعہ وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے۔ آپ نے ایک بیوی کے ہاں شہد پیا اور دوسری بیوی کو دیر کی وجہ بتائی۔ اس پر اس نے اور اس کی کسی سہیلی نے سمجھا کہ شہد تو بعض دفعہ بودار بوٹیوں کا بھی ہوتا ہے آپ سے کہنا چاہیئے کہ شہد سے بعض دفعہ بُو آتی ہے اس سے آپ اس بیوی کے ہاں زیادہ جانا چھوڑ دیں گے اسی واقعہ کا اس جگہ ذکر ہے۔

(فتح البیان جلد 9)

[2] مفسرین نے پھر یہاں غلطی کی ہے اور معنے یہ کیے ہیں کہ تمہارے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تمہارے دل پہلے ہی توبہ کی طرف مائل ہیں لغت میں لکھا ہے کہ صَغٰی اِلَیْہِ کے معنے ہیں مَالَ (مفردات) پس فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا کے معنے یہی ہو سکتے ہیں کہ تمہارے دل تو توبہ کی طرف پہلے ہی مائل ہیں۔ نہ معلوم مفسرین کو یہ کیوں شوق ہوا کہ ازواج مطہرات کو جن کے متعلق خدا تعالیٰ فرما چکا ہے کہ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَ يُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا (احزاب: 34) گندہ قرار دیں۔ شاید کسی شیعہ نے تفسیروں میں یہ بات لکھ دی ہے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اہل بیت صرف حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ اور آپ کے بچے ہیں۔ بیویاں اہل بیت نہیں۔ حالانکہ قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کو اہل بیت قرار دیا ہے۔

حدیث:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک غریب عورت میرے پاس آئی جس نے اپنی دو بچیاں اُٹھا رکھیں تھیں۔ میں نے اس کو تین کھجوریں دیں۔ اس نے دونوں بیٹیوں کو ایک ایک دے دی اور ایک کھجور اپنے منہ میں ڈالنے لگی لیکن یہ کھجور بھی اس کی بیٹیوں نے اس سے مانگ لی۔ اس پر اس نے اس کے دو حصے کیے اور ایک حصہ ایک کو اور دوسرا دوسری لڑکی کو دے دیا۔ مجھے اس کے مادرانہ پیار پر تعجب ہوا اور میں نے اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس کے اس فعل کی وجہ سے اس کے لئے جنت واجب کر دی یا یہ فرمایا کہ اس شفقت کی وجہ سے اسے آگ سے بچالیا۔

(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اتقوا النّار ولو بشق تمرۃٍ...)

❁❁❁

اداریہ

دلوں کو قابو کرنے والا ہتھیار

مدثرہ عباسی
مدیرہ

جیسا کہ سب جانتے ہیں مسکراہٹ ایک انمول تحفہ ہے جو رحمٰن خدا نے بن مانگے ہمیں دیا ہوا ہے۔ پیار بھری مسکراہٹ انمول ہوتی ہے۔ یہ کشش کا راز ہے، یہ دلوں کو جوڑنے والا مختصر ترین راستہ ہے مسکراہٹ صالح صحت کی علامت ہے۔

پیارے آقا و مولا، سرور کائنات ﷺ نے سالہا سال پہلے بتادیا تھا۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس پر کس حد تک عمل کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ مسلمانوں کو خندہ پیشانی اور مسکراہٹ کے ساتھ پیش آنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اسی ضمن میں ہمارے پیارے آقا آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اپنے بھائی کے سامنے تمہارا مسکرانا صدقہ ہے (ترمذی)

کسی بھی بھلائی کو حقیر ہرگز نہ جانو، اگرچہ تمہارا اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی ہو۔ (مسلم)۔

رسول کریم ﷺ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ تم لوگوں کے دل اپنی دولت سے ہرگز نہیں جیت سکتے، تمہیں لوگوں کے دل جیتنے کیلئے خندہ پیشانی اور حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

رسول کریم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ کے چہرہ مبارک پر ہمیشہ بشاشت ہوتی تھی اور مسکراہٹ سجی رہتی تھی۔ عبد اللہ الحارث بن حزمؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آپؐ سے زیادہ مسکراتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا (ترمذی)۔

رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ بالا ارشادات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں مسکراہٹ کے ساتھ ملنا پسندیدہ عمل ہے۔ اگرچہ لوگوں کی نظر میں اس کی کوئی خاص اہمیت نہ ہو مگر اخلاقی اعتبار سے باہمی محبت کا مظہر عمل ہے۔ کسی سے ملتے وقت چہرے پر مسکراہٹ یہ ثابت کرتی ہے کہ وہ شخص با اخلاق ہے، اس خوبی کا حامل انسان اپنے دوسرے بھائی کے دل میں خوشی کی لہر پیدا کرتا ہے۔ سچی مسکراہٹ چہرے کو رونق اور چمک دمک دیتی ہے جبکہ مصنوعی مسکراہٹ کے پیچھے مکر و فریب کی ظلمتیں چھائی ہوتی ہیں۔

موجودہ تحقیق کے مطابق:

ہر انسان کے اندر کچھ کیمیکل مواد ایسے ہیں جنہیں ہمارے جسم کے اعضاء خوف یا غمی یا بے چینی یا پریشانی کے وقت خارج کرتے ہیں۔ ہمیں یہ جان لینا کافی ہے کہ جب انسان مسکراتا ہے تو اس کے چہرے کے 5 تا 13 عضلات حرکت میں آتے ہیں اور جب انسان غصے یا کبیدگی یا پریشانی کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کے چہرے کے 47 عضلات متحرک ہوتے ہیں اگر ملنے والا شخص آپ کی طرف مسکرا کر دیکھ رہا ہو تو ایسی صورت میں کیمیکل مادے بہت معمولی مقدار میں خارج ہوتے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟۔

جواب یہ ہے کہ مسکراہٹ آپ کے ذہن پر طاری کسی بھی خوف یا آنے والے شخص کے حوالے سے جنم لینے والے خدشات کو ختم کردیتی ہے۔ نتیجے کے طور پر آپ کے ذہن میں یہ بات از خود پیوست و جاگزیں ہو جاتی ہے کہ آنیوالا شخص خطرے سے خالی ہے، اس سے پتہ چلا کہ زندگی کو کامیاب بنانے کیلئے مسکراہٹ از بس ضروری ہے۔ مسکراہٹ نے اب ایک علم اور فن کا مقام حاصل کرلیا ہے۔ سماجی تعلقات کو بہتر بنانے اور اقتصادی و سفارتی امور کو اجاگر کرنے کیلئے مسکراہٹ کی باقاعدہ تعلیم و تلقین کی جاتی ہے۔

چینی کہاوت ہے: جو شخص عمدہ طریقے سے مسکرانا نہیں جانتا اسے دکان نہیں کھولنی چاہیے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سچی مسکراہٹ دل کی گہرائی سے اٹھتی ہے، یہ مسکراہٹ جادو جیسا اثر کرتی ہے اور ملنے والے کو اپنی طرف مقناطیس کی طرح کھینچ لیتی ہے۔

مسکراہٹ انسانی ذہن اور دماغ پر جادو جیسا اثر کرتی ہے:

ساؤتھ آسٹریلیا یونیورسٹی کی تحقیق میں اس صدیوں پرانے خیال کی تصدیق کی گئی ہے کہ مسکرانا ذہن کو مثبت بنانے میں مدد دیتا ہے اور اس کے لئے بس چہرے کے مسل کو حرکت دینے کی ضرورت ہے۔ اس وقت جب دنیا میں کووڈ 19 کی وبا کے نتیجے میں ذہنی بے چینی اور ڈپریشن کی شرح میں نمایاں اضافہ ہوا ہے، یہ نئی دریافت بروقت ہی کہی جاسکتی ہے۔ جریدے ایکسپیریمنٹل سائیکولوجی میں شائع تحقیق میں چہرے اور جسم پر مسکراہٹ کے اثرات کا جائزہ لیا گیا، جس کے دوران لوگوں کو دانتوں میں ایک قلم دبا کر اپنے چہرے کو مسل پر دباؤ ڈال کر مسکراہٹ کی حرکت جیسی نقل کا کہا گیا۔ محققین کے مطابق چاہے مسکراہٹ جعلی ہی کیوں نہ ہو، اس سے بھی ذہنی صحت کو بہتر بنانے میں مدد مل سکتی ہے۔ محققین نے دریافت کیا کہ چہرے کے مسلز کی حرکت نہ صرف چہرے کے تاثرات کو بدلتی ہے بلکہ جسمانی تاثرات میں بھی تبدیلی لاتی ہے، اور مثبت جذبات کو متحرک کرتی ہے۔ محققین کا کہنا تھا کہ نتائج ذہنی صحت کے بارے میں گہرائی میں جاکر سمجھنے کے حوالے سے اہمیت رکھتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ جب آپ کے مسلز کہتے ہیں کہ آپ خوش ہیں، تو آپ اپنے ارد گرد کی دنیا کو مثبت نظر سے دیکھتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ تحقیق میں ہم نے دریافت کیا کہ جب آپ زبردستی مسکراہٹ کی مشق کرتے ہیں تو اس سے دماغ میں جذبات کا amygdala متحرک ہوتا ہے، جو ایسے نیوروٹرانسمیٹر زخارج کرتا ہے جو ذہن کو

مثبت رکھنے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ محققین کا کہنا ہے کہ ذہنی صحت کے حوالے سے اس کے دلچسپ اثرات مرتب ہوتے ہیں، اگر آپ دماغ کو یہ سمجھنے پر مجبور کر دیں کہ آپ خوش ہیں، تب آپ اس میکنزم کو ذہنی صحت بہتر بنانے کے لیے بطور معاون استعمال کر سکتے ہیں۔ تحقیق میں بتایا گیا کہ جب جذباتی عمل متحرک ہوتا ہے کہ ادراک اور موٹر سسٹمز آپس میں مل جاتے ہیں۔

اچھی مسکراہٹ کے فوائد:

اچھی مسکراہٹ صحت بخش ہوتی ہے۔ یہ انسان کی ذہنی، جسمانی اور اعصابی صحت کی حفاظت کرتی ہے۔

صحت بخش مسکراہٹ، بلڈ پریشر کم کرنے میں معاون بنتی ہے۔

مسکراہٹ دوران خون تیز کرتی ہے۔

مسکراہٹ، ذہنی و سماجی دباؤ کیخلاف جسم میں مدافعتی نظام کو تقویت پہنچاتی ہے۔

مسکراہٹ کی بدولت دل، دماغ اور جسم کی کارکردگی پر خوشگوار اثر پڑتے ہیں۔

مسکرانے والے انسان کی نبض متوازن شکل میں چلتی ہے۔

مسکراہٹ، انسان کے لاشعور تک سکون اور اطمینان کی لہر پہنچادیتی ہے۔

مسکراہٹ، چہرے کو خوبصورت اور پر رونق بنادیتی ہے۔

مسکراہٹ ایک طرح سے عصری امراض سے بچاؤ کا بہترین علاج ہے۔

مسکراہٹ، بے چینی اور ڈپریشن سے تحفظ دیتی ہے۔

مسکراہٹ، مختلف قسم کے درد کا علاج ہے۔

مسکراہٹ، بے خوابی اور بے چینی پر قابو پالیتی ہے۔

مسکراہٹ اور ہنسی میں فرق:

مسکراہٹ دائمی کیفیت کا نام ہے، (اسے ہلکی پھلکی ہنسی کا نام بھی دیا جاسکتا ہے) جبکہ ہنسی عارضی حالت ہوتی ہے۔

مسکراہٹ، خوشی پر فطری ردعمل کا دوسرا نام ہے جبکہ ہنسی بسا اوقات دردناک حادثے پر ردعمل کا بھی نتیجہ ہوتی ہے۔

مسکراہٹ اندرونی خوشی اور سکون کی علامت ہوتی ہے جبکہ ہنسی کسی ہنگامی ناگہانی حالت کا نتیجہ ہوتی ہے۔

مسکراہٹ کا اثر دیر تک باقی رہتا ہے جبکہ ہنسی کا اثر جلد زائل ہوجاتا ہے۔

مسکراہٹ تواضع وانکساری کی دلیل ہے جبکہ ہنسی اگر قہقہے کے ساتھ ہو تو غرور کی نشانی مانی جاتی ہے۔

مسکراہٹ ہنسی سے زیادہ مشکل کام ہے۔ مسکراہٹ مختلف قسم کے لوگوں، مختلف طبیعتوں اور مختلف المزاج افراد سے میل ملاپ کے وقت آتی ہے۔ جبکہ ہنسی انتہائی بے تکلف قسم کے لوگوں کے ساتھ ہی نمودار ہوتی ہے۔

مسکراہٹ میں ایک ادب شامل ہوتا ہے جبکہ ہنسی ادب کے دائرے سے خارج بھی ہوجاتی ہے۔

مسکراہٹ دلوں کو قابو کرنے والا ہتھیار ہے۔

خوبصورت مسکراہٹ، دل، دماغ اور روح کو اپنے قبضے میں کرنیوالا طاقتور ترین قانون ہے۔

مسکراہٹ سے انسانوں کے دل آپ اپنی مٹھی میں کر سکتے ہیں، ذہنوں پر قبضہ کر سکتے ہیں۔ مسکرانے والے لوگ سب سے زیادہ خوش مزاج ہوتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ذیابیطس، بلڈ پریشر، تناؤ، بے چینی اور بحران پیدا کرنیوالے یومیہ مسائل پر قابو پانے کیلئے مسکراتے رہیں اور اپنے آپ اور اپنے ارد گرد موجود لوگوں کو خوشیاں فراہم کرنے والے بنیں اس طرح اپنے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرمان "تمہیں لوگوں کے دل جیتنے کیلئے خندہ پیشانی اور حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہئے" کے مطابق اپنی زندگی گزارنے والے بنیں۔ آمین

❁❁❁

ضروری اعلان

ادارہ کے مالی حالات کے پیش نظر اور اس کو جاری رکھنے اور مزید ترقی دینے کی خاطر "ماہنامہ لاہور انٹرنیشنل" اور خواتین ڈائجسٹ "آبگینے" ،لاہور رسالہ دو زبانوں اردو اور انگریزی میں لندن سے شائع ہوتے ہیں۔ ان تینوں رسالوں کو ادارہ اپنی ذاتی مالی حیثیت کے مطابق کئی سالوں سے جاری رکھے ہوئے ہے۔ دنیا کے تمام قارئین کیلئے یہ معیاری اور پسندیدہ رسالے ہیں۔ ان کا خاص مقصد معاشرے کی بہتر اصلاح، سچی کھری صحافت اور اسلام کی ترقی کے لئے یہ ایک تبلیغی کوشش ہے۔ یاد رہے ایسے اخبارات اور رسائل کو جاری رکھنے کے لیے ایک بڑا ادارہ یا بزنس مین یا اشتہارات کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمیں میسر نہیں۔ آپ تمام سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اس کی ماہانہ مالی مدد فرما کر اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالئے۔ آپ کی یہ معمولی رقم ہماری ہمت افزائی اور ترقی کا باعث ہوگی۔ آپ اپنی رقم درج ذیل بینک میں جمع کرواسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

Bank Name:
Lloyds Bank PLC
Account Name:
Lahore International LTD
Account Number:
42534160
Sort Code:
30-96-26
IBAN:
GB89 LOYD 3096 2642 5341 60

اسلامی تعلیمات

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

قسط اوّل

فضائل:

جب رسول اللہ ﷺ کی کمر پر کفار مکہ نے حالت سجدہ میں اونٹنی کی بچہ دانی رکھ دی تو آپؓ نے اسے آپؐ پر سے اٹھایا۔ پھر جنگ احد میں جب آنحضورؐ کا چہرہ مبارک لہولہان ہوا تو حضرت فاطمہؓ نے مرہم پٹی کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فاطمہؓ اس امت کی عورتوں، تمام جہانوں کی عورتوں، بہشت میں جانے والی عورتوں اور ایمان لانے والی عوتوں کی سردار ہیں۔" آنحضورؐ نے فرمایا" فاطمہؓ کی رضا سے اللہ راضی ہوتا ہے اور اس کی ناراضگی سے اللہ ناراض ہوتا ہے" اسی طرح فرمایا "فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے جس نے اس کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔" حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ میں نے چال ڈھال، طور اطوار اور گفتگو میں حضرت فاطمہؓ سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا۔ آنحضور ﷺ کا کوئی بیٹا نہ تھا بیٹیوں میں سے آپؐ کی اولاد صرف حضرت فاطمہؓ سے چلی جن کے دو بیٹوں حسنؓ و حسینؓ نے شہادت کا عظیم مرتبہ بھی پایا۔

ولادت:

حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ آپؓ مکہ معظمہ میں ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ آپؓ کے سن ولادت کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے مورخ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ صاحبزادہ ابراہیمؓ کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد دعویٰ نبوت سے قبل پیدا ہوئی۔ بعض روایات کے مطابق بعثت نبوی سے پانچ برس پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر کے زمانہ میں حضرت فاطمہؓ کی پیدائش ہوئی۔ اس وقت حضورؐ سرور دوعالم کی عمر پینتیس 35 سال تھی۔ تاریخ طبری، تاریخ خمیس کے علاوہ اصابہ میں یہی روایت مذکور ہے۔

مندرجہ بالا روایات کے مطابق حضرت فاطمہؓ کی ولادت پانچ سال قبل بعثت مانی جائے تو 2ھ میں بوقت شادی آپؓ کی عمر 20 برس بنتی ہے۔ مگر کسی سوانح نگار نے شادی کے وقت آپؓ کی اتنی عمر نہیں لکھی حتیٰ کہ مستشرقین نے بھی زیادہ سے زیادہ عمر 18 سال لکھی ہے۔ تاہم مستند روایات کی رُو سے آپؓ کی ولادت سن بعثت نبوی یا اس کے ایک سال بعد مانیں تو آپؓ کی عمر شادی کے وقت 15 سے 16 بنتی ہے۔ بعض دیگر مستند روایات میں بعثت نبوی کے قریب زمانہ میں حضرت فاطمہؓ کی ولادت ہوئی جبکہ آنحضور ﷺ کی عمر اکتالیس 41 سال تھی۔ جبکہ حاکم، ابن سعد اور ابن عبدالبر نے بعثت نبوی سے ایک سال قبل آپؓ کا سن ولادت بتایا ہے۔ ان روایات کی تصدیق بعض دیگر قرائن سے بھی ہوتی ہے مثلاً یہ کہ حضرت فاطمہؓ حضرت عائشہؓ سے عمر میں پانچ سال بڑی تھیں اور حضرت عائشہؓ کی پیدائش معروف روایات کے مطابق بعثت کے چار یا پانچ سال بعد بیان کی جاتی ہے۔ اسی طرح 2 سنہ ہجری میں اپنی شادی کے وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر 15 سال اور چند ماہ بیان ہوئی ہے۔ اس حساب سے بھی آپؓ کی پیدائش بعثت نبوی کے پہلے سال ہی بنتی ہے۔ جو زیادہ قابل قبول ہے۔

بچپن اور تربیت:

حضرت فاطمہؓ کو بچپن سے نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ کم سنی میں ماں کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ شفیق باپ کے زیر سایہ زندگی شروع ہوئی تو اسلام کے دشمنوں کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو دی جانے والی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کبھی آپ کے گھر کے سامنے کوڑا کرکٹ اور غلاظت پھینک دی جاتی کبھی اپنے والد کے جسم مبارک کو پتھروں سے لہو لہان دیکھا تو کبھی مشرکوں نے آپؓ کے والد بزرگوار کے سَر میں خاک ڈال دی۔ مگر اس کم سنی کے عالم میں بھی حضرت فاطمہؓ نڈر ہو کر اپنے بزرگ باپ کی مددگار بنی رہیں۔

ایک دفعہ رسول کریم ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل اور اس کے ساتھی بھی صحن کعبہ میں مجلس لگائے بیٹھے تھے۔ ان سرداروں میں سے کسی ظالم نے مشورہ دیا کہ فلاں محلہ میں جو اونٹنی ذبح ہوئی ہے کوئی جا کر اس کی بچہ دانی اٹھا لائے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب سجدہ میں جائیں تو ان کی پشت پر رکھ دے۔ ان میں سے ایک بدبخت عُقبہ بن ابی مُعیط اٹھا اور اونٹنی کی گندھری بچہ دانی اٹھا لایا اور دیکھتا رہا جونہی نبی کریمؐ سجدہ میں گئے اس نے غلاظت بھرا وہ بوجھ آپؐ کی پشت پر دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہا کرتے تھے کہ میں یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی رسول خدا ﷺ کی کچھ مدد نہ کر سکتا تھا۔ بس کفِ افسوس ملتا رہ گیا کہ اے کاش ان دشمنان رسول کے مقابل پر مجھے اتنی توفیق ہوتی کہ آپؐ کی تکلیف دور کر سکتا۔ اُدھر ان مشرک سرداروں کا یہ عالم تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اذیت میں دیکھ کر استہزا کرتے ہوئے ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوئے جا رہے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ کی حالت میں پڑے تھے، بوجھ کی وجہ سے سر نہیں اٹھا سکتے تھے۔ یہاں تک کہ آپؐ کی لخت جگر حضرت فاطمہؓ تشریف لائیں اور آپ کی پشت سے وہ غلاظت کا بوجھ ہٹایا۔ تب آپؐ نے سجدے سے سر اٹھایا۔ عبادت الٰہی سے روکنے اور استہزا کرنے والے ان جانی دشمنوں کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فریاد کی اَللّٰھُمَّ عَلَیْكَ بِقُرَیْشٍ اے اللہ! ان قریش کو تو خود سنبھال۔ یہ دعا بھی قبول ہوئی اور خدائی گرفت ان دشمنان رسول پر بدر کے دن آئی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کا یہ عبرت ناک انجام بچشم خود دیکھا کہ میدان بدر میں ان کی لاشیں اس حال میں پڑی تھیں کہ تمازتِ آفتاب سے ان کے حلیے بگڑ چکے تھے۔

اپنے شفیق چچا ابوطالب کی وفات کے بعد تو رسول اللہ ﷺ کی ایذا دہی کا سلسلہ بہت تیز ہو گیا۔ یہاں تک کہ آپؐ کی ذات پر حملے ہونے لگے۔ ایک مرتبہ کسی بدبخت نے آپؐ کے سر پر خاک ڈال دی۔ رسول کریم ﷺ گھر تشریف لائے۔ آپؐ کی لخت جگر حضرت

فاطمہؓ مٹی بھرا سر دھوتی اور ساتھ روتی جاتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا بیٹی! رونا نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کا محافظ ہے۔ پھر فرمایا قریش نے میرے ساتھ ابو طالب کی وفات کے بعد بدسلوکی کی حد کر دی ہے۔

حضرت فاطمہؓ کا اعلان نکاح:

2 سنہ ہجری میں حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت فاطمہؓ سے عقد کی درخواست کی جسے حضورؐ نے بخوشی قبول فرمایا۔ حضرت علیؓ نے حق مہر میں اپنی ایک اونٹنی مالیت چار سو اسّی 480 درہم اور زرہ مالیتی 20 درہم پیش کی۔ نبی کریمؐ نے ہدایت فرمائی کہ اس رقم کا ایک حصّہ خوشبو وغیرہ کے لئے، دوسرا حصّہ کپڑوں کے لئے اور تیسرا حصّہ دیگر اخراجات میں صرف کیا جائے۔

اس بابرکت نکاح کا اعلان خود رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس میں مہاجرین وانصار کے بزرگ شامل ہوئے۔ رسول کریم ﷺ نے خطبہ نکاح ارشاد کرتے ہوئے فرمایا:۔

"سب تعریف اللہ کی ہے وہ اپنی نعماء اور قدرت کے لحاظ سے قابل پرستش اور اپنے غلبہ اور طاقت کے سبب واجب الاطاعت ہے، وہ عذاب دینے کے لحاظ سے ایسی ذات ہے جس سے انسان ڈر جائے۔ اور نعمتوں کا مالک ہونے کے سبب ایسی ذات ہے جس کا رعب دلوں پر طاری ہے، وہ اپنے احکام زمین و آسمان میں جاری کرتا ہے، اس نے اپنی قدرت سے مخلوق کو پیدا کیا، پھر انسان کو اس میں سے دانائی کے ساتھ ممتاز کیا۔ اپنی عزت کے ساتھ اسے حکومت بخشی اور اپنے دین کے ساتھ اس کو معزز بنایا۔ پھر اپنے نبی محمد ﷺ کے ذریعہ ان کی تکریم کی۔ وہ خدا جس نے مصاہرت کے تعلق کو نسب سے ملا کر، اس (نکاح) کو فرض ٹھہرایا جس سے برائیاں زائل ہوئیں اور رحموں کو اس نے زینت بخشی۔ پھر اس امر (یعنی صلہ رحمی ومصاہرت) کو لوگوں کے لئے لازم حال قرار دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا۔ (یعنی اور وہی ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا اور اسے آبائی اور سسرالی رشتوں میں باندھا اور تیرا رب دائمی قدرت رکھتا ہے۔) اس کا حکم اس کی قضاء کو جاری کرتا ہے، اسکی قضاء اسکی قدر کی طرف چلتی ہے اور اسکی قدر اپنی اجل کی طرف جاتی ہے۔ ہر ایک اجل کے لئے وقت مقدر رہے۔ پھر خدا جس (حکم) کو چاہتا ہے اس کو مٹاتا اور جس کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور ام الکتاب اسی کے پاس ہے۔ اس کے بعد میں بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ فاطمہ کا علی سے نکاح کروں اور میں نے اس چار سو مثقال کے مہر پر اس کا نکاح کر دیا ہے"

خطبہ کے بعد آنحضور ﷺ نے چھوہاروں کا ایک طشت تقسیم کروایا۔ پھر آپؐ نے نئے جوڑے کو دعا دی خدا تمہاری پریشانیاں دور کرے، تمہارا نصیب نیک کرے اور تم دونوں میں برکت دے اور تم سے بہت سی پاک اولاد پیدا ہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ منبر سے اتر آئے اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم بھی کچھ کہو جس پر انہوں نے خدا کی حمد کی اور حضور ﷺ پر درود بھیجنے کے بعد کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی لڑکی فاطمہ کا مجھ سے نکاح کیا ہے اور میری یہ زرہ اس کا مہر ہے اور میں اس پر راضی ہوں۔

حضرت فاطمہؓ کی تقریب رخصتی:

رسول پاک ﷺ نے اس مبارک جوڑے پر اپنے وضو کا پانی چھڑک کر دعائے خیر دی۔ حضرت اسماءؓ بنت عمیس کہتی تھیں کہ مجھے وہ نظارہ خوب یاد ہے جب رسول کریم ﷺ ان دونوں کیلئے بوقت رخصتی خاص دعا کر رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے نہایت سادگی سے حضرت فاطمہؓ کو رخصت کیا اور انہیں نصیحت کے رنگ میں فرمایا "تمہارا شوہر دنیا و آخرت میں سردار ہوگا۔ یہ میرے اولین صحابہ میں سے ہے اور علم وحلم میں دوسروں سے بڑھ کر ہے۔

ضرورت کی چند گھریلو چیزیں جو حضرت فاطمہؓ کو دی گئیں ان میں کمبل، تکیہ، چارپائی، بستر، چادر، آٹا پیسنے کی چکی، چھاننی، مشکیزہ، پیالہ اور دو گھڑے شامل تھے۔ یہ تھی بوقت شادی سرکار دو عالم کی صاحبزادی کی کل کائنات۔

حضرت علیؓ کی زندگی بھی درویشانہ تھی۔ دعوت ولیمہ تک کے لئے کچھ انتظام نہ تھا۔ چنانچہ جنگل سے گھاس کاٹ کر شہر کے سناروں کو بیچ کر ولیمے کے لئے رقم اکٹھی کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر جب یہ بھی ممکن نہ ہوا تو خود رسول کریم ﷺ، حضرت سعدؓ اور بعض اور صحابہ کی اعانت سے پروقار ولیمہ کی تقریب ممکن ہوئی۔ جو کھجور، منقہ، جَو کی روٹی، پنیر اور شوربے کی دعوت تھی۔ اس زمانے کے اقتصادی حالات اور غربت اور سادگی کا اندازہ حضرت اسماءؓ کی اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے۔ آپؓ فرماتی تھیں کہ اس زمانے میں اس دعوت ولیمہ سے بہتر کوئی ولیمہ نہیں ہوا۔

حضرت فاطمہؓ سے محبت وشفقت:

حضرت فاطمۃ الزہراءؓ رسول اللہ ﷺ کے سایۂ عاطفت میں پروان چڑھیں۔ آپؐ کی محبت بھری تربیت کا اثر تھا کہ حضرت فاطمہؓ میں بھی آپؐ کی پاکیزہ سیرت کا رنگ جھلکتا نظر آتا تھا۔

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے چال ڈھال، طور اطوار اور گفتگو میں حضرت فاطمہؓ سے بڑھ کر آنحضرت ﷺ کے مشابہہ کوئی نہیں دیکھا۔ سیدہ فاطمہؓ جب حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں تو حضور ﷺ کھڑے ہو جاتے تھے محبت سے انکا ہاتھ تھام لیتے تھے اور اسے بوسہ دیتے اور اپنے ساتھ بٹھاتے اور جب آنحضورؐ حضرت فاطمہؓ کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ بھی احترام میں کھڑی ہو جاتیں آپؐ کا ہاتھ تھام کر اسے بوسہ دیتیں اور اپنے ساتھ حضورؐ کو بٹھاتیں۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ سے سفر پر روانہ ہوتے وقت سب سے آخر میں اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہؓ سے مل کر جاتے اور واپسی پر مسجد نبوی میں دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ سے ہی آکر ملتے۔

اس زمانہ میں معاشی تنگی کے پیش نظر آپؐ اس نئے جوڑے کو قناعت اور صبر و دعا کی تلقین بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دن حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ کنوئیں سے پانی کھینچ کھینچ کر میرے تو سینے میں درد ہونے لگا ہے۔ تمہارے ابّا کے پاس کچھ قیدی آئے ہیں، جاکر درخواست کرو کہ ہمیں بھی ایک خادم عطا ہو۔ فاطمہؓ کہنے لگیں

خدا کی قسم! میرے تو خود چکی پیس پیس کر ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے ہیں۔ چنانچہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ آپ نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ عرض کیا کہ سلام عرض کرنے آئی ہوں۔ پھر انہیں حضور ﷺ سے کچھ مانگتے ہوئی شرم آئی اور واپس چلی گئیں۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ کیا کر کے آئی ہو؟ وہ بولیں کہ میں شرم کے مارے کوئی سوال ہی نہیں کر سکی۔ تب وہ دونوں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں اپنا حال زار بیان کر کے خادم کے لئے درخواست کی۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "خدا کی قسم! میں تمہیں دے دوں اور اہل صُفّہ (غریب صحابہ) کو چھوڑ دوں؟ جو فاقہ سے بے حال ہیں اور ان کے اخراجات کے لئے کوئی رقم میسر نہیں۔ ان قیدیوں کے عوض ملنے والی رقم اہل صفّہ پر خرچ کروں گا"

دوسری روایت سے رسول اللہ ﷺ کے اس جواب کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں یہ قیدی پہلے ہی شہدائے بدر کے یتیم بچوں میں تقسیم کر چکا ہوں۔ یہ سن کر وہ دونوں واپس گھر چلے گئے۔ رات کو نبی کریم ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ دونوں اپنا کمبل اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر اُٹھنے لگے تو آپ نے فرمایا اپنی جگہ لیٹے رہو۔ پھر فرمایا تم نے مجھ سے جو مانگا کیا میں اس سے بہتر چیز تمہیں نہ بتاؤں؟ انہوں نے کہا ضرور بتائیں۔ آپ نے فرمایا یہ چند کلمات ہیں جو جبریلؑ نے مجھے سکھائے ہیں کہ ہر نماز کے بعد دس مرتبہ سبحان اللہ، دس مرتبہ الحمد للہ اور دس مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو۔ جب رات بستر پر جاؤ تو تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو۔ دوسری روایت میں تینتیس تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کے ساتھ آخر پر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ پڑھنے کا بھی ذکر ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے جب سے رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ کلمات سکھائے میں انہیں آج تک پڑھنا نہیں بھولا۔ کسی نے تعجب سے پوچھا کہ جنگ صفین کے ہنگاموں میں بھی آپ یہ نہیں بھولے؟ کہنے لگے ہاں جنگ صفین میں بھی یہ ذکر الٰہی کرنا میں نے یاد رکھا تھا۔

الغرض رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کو ذکر الٰہی کی طرف توجہ دلا کر سمجھایا کہ خدا کی محبت میں ترقی کرو۔ اللہ خود تمہاری ضرورتیں پوری فرمائے گا تم خدا کو نہ بھولو وہ بھی تمہیں یاد رکھے گا۔ اپنی لخت جگر حضرت فاطمہؓ کے حالات دیکھ کر ان کیلئے رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا بھی کی کہ کبھی ان کو بھوک کی تکلیف نہ آئے۔ فاطمہؓ فرماتی ہیں اس کے بعد کبھی مجھے بھوک کی تکلیف نہیں پہنچی۔

بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے کشائش عطا فرمائی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو ایک عمر رسیدہ خادم بھی عطا فرمایا۔ ایک روایات میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے پاس جو اوڑھنی تھی اس سے پورا جسم نہیں ڈھانپا جا سکتا تھا۔ اگر سر ڈھانپتیں تو ٹانگیں برہنہ ہو جاتیں اور اگر ٹانگیں ڈھانپتیں تو سر ننگا ہو جاتا۔ اس پر حضرت فاطمہؓ نے یہ صورتحال بتا کر آنحضور ﷺ سے اس بوڑھے خادم سے پردہ کی بابت پوچھا تو آپؐ نے جواب دیا "وہ تمہارے باپ کی طرح ہے اور تمہارا غلام ہے"

تربیت اولاد:

نبی کریمؐ کو اپنی اولاد کی تربیت کا بہت خیال تھا آپؐ ان کیلئے دعائیں کرتے، انہیں اہل بیت کے پاکیزہ مقام پر ہونے کے لحاظ سے عبادات اور نیکیوں کی طرف توجہ دلاتے ایک روایت میں ہے کہ نبی کریمؐ چھ ماہ تک فجر کی نماز کے وقت حضرت فاطمہؓ کے دروازے کے پاس گزرتے ہوئے فرماتے رہے۔ "اے اہل بیت! نماز کا وقت ہو گیا ہے" پھر آپؐ سورۂ احزاب کی آیت:33 پڑھتے کہ "اے اہل بیت! اللہ تم سے ہر قسم کی گندگی دور کرنا چاہتا ہے اور تم کو اچھی طرح پاک کرنا چاہتا ہے" آنحضور ﷺ کو اپنی بالغ اولاد کی نماز تہجد کی ادائیگی کی بھی فکر لاحق ہوتی تھی۔ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو ہمارے گھر تشریف لائے اور مجھے اور فاطمہؓ کو تہجد کے لئے بیدار کیا۔ پھر آپ اپنے گھر تشریف لے گئے اور کچھ دیر نوافل ادا کئے۔ اس دوران ہمارے اٹھنے کی کوئی آہٹ وغیرہ محسوس نہ کی تو دوبارہ تشریف لائے اور ہمیں جگایا اور فرمایا اٹھو اور نماز پڑھو۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں میں آنکھیں ملتا ہوا اُٹھا اور بُڑبڑاتے ہوئے کہہ بیٹھا "خدا کی قسم! جو نماز ہمارے لئے مقدر ہے ہم وہی پڑھ سکتے ہیں۔ ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں وہ جب چاہے ہمیں اُٹھا دے" رسول کریم ﷺ واپس لوٹے۔ آپ نے تعجب سے اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے پہلے میرا ہی فقرہ دہرایا کہ "ہم کوئی نماز نہیں پڑھ سکتے سوائے اس کے جو ہمارے لئے مقدر ہے" پھر یہ آیت تلاوت کی "وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا" کہ انسان بہت بحث کرنے والا ہے۔

حضرت فاطمہؓ کی مالی قربانی:

حضرت ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بنت ہبیرہ نامی ایک خاتون نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھیاں تھیں۔ نبی کریمؐ اپنی لاٹھی سے ان کو ہلاتے جاتے تھے اور فرمانے لگے کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اللہ تمہارے ہاتھ میں آگ کی انگوٹھیاں ڈال دے؟ اس نے حضرت فاطمہؓ کے پاس آ کر اس بات کا شکوہ کیا۔ حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ ادھر میں نبی کریمؐ کے ساتھ روانہ ہو گیا، نبی کریمؐ گھر پہنچ کر دروازے کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور اجازت لیتے وقت آپؐ کا یہی معمول تھا۔ اس وقت حضرت فاطمہؓ کے ہاتھ میں سونے کی ایک لڑی تھی اور وہ اس خاتون سے مخاطب تھیں کہ یہ سونے کی لڑی دیکھو جو مجھے ابوالحسنؓ نے تحفہ دیا ہے، دریں اثناء نبی کریمؐ گھر میں داخل ہوئے اور فرمایا، اے فاطمہؓ! بات انصاف کی ہونی چاہیئے۔ کل کلاں لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد (ﷺ) کی صاحبزادی فاطمہؓ کے ہاتھ آگ کی لڑی ہے۔ پھر آپؐ نے انہیں سخت ملامت کی اور وہاں رُکے بغیر ہی واپس تشریف لے گئے۔ تب حضرت فاطمہؓ نے وہ سونے کی لڑی فوراً فروخت کر کے اس کی قیمت سے ایک غلام خریدا اور اسے آزاد کر دیا۔ نبی کریمؐ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپؐ نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کی ہے جس نے فاطمہؓ کو آگ سے نجات دی۔ (بحوالہ اہل بیت رسولؐ از حافظ مظفر احمد صاحب)

❀❀❀

اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ

پہلا گناہ دین میں خلیفۃ اللہ کے مقابل یہی تھا اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ۔ اس میں شک نہیں کہ سُنّت اللہ اسی طرح پر ہے کہ ماموروں پر اعتراض ہوتے ہیں۔ اچھے بھی کرتے ہیں اور بُرے بھی۔ مگر اچھوں کو رجوع کرنا پڑتا ہے اور بُرے نہیں کرتے۔ مگر مبارک وہی ہیں جو اعتراض سے بچتے ہیں کیونکہ نیکوں کو بھی آخر مامور کے حضور رجوع اور سجدہ کرنا ہی پڑا ہے۔ پس اگر یہ مَلَک کی طرح بھی ہو پھر بھی اعتراض سے بچے کیونکہ خدا تو سجدہ کرائے بغیر نہیں چھوڑے گا ورنہ لعنت کا طَوق گلے میں پڑے گا۔

پہلا نافرمان جس کی تاریخ ہمیں معلوم ہے ابلیس ہے وہ کیوں نافرمان بن گیا اس کی خبر بھی قرآن شریف نے بتلائی ہے کہ اس نے ابیٰ اور استکبار کیا یعنی اس میں انکار اور تکبّر تھا جس کی وجہ سے وہ اَسۡلِمۡ کی تعمیل نہ کرسکا۔ اِس وقت بہت لوگ ہیں کہ اس ابیٰ اور استکابر کی وجہ سے اَسۡلِمۡ کی تعمیل سے محروم ہیں۔ کسی کو عقل پر تکبّر ہے۔ کسی کو علم پر۔ کسی کو اپنے بزرگوں پر جو کہ ان کے نقصان کا باعث ہو رہا ہے اور جب کبھی خدا کے مامور آتے رہے ہیں یہی اباء اور استکبار اُن کی محرومی کا ذریعہ ہوتے رہے ہیں۔ انسان جب ایک دفعہ مُنہ سے نہ کر بیٹھتا ہے تو پھر اُسے دوبارہ ماننا مشکل ہو جاتا ہے اور لوگوں سے شرم کی وجہ سے وہ اپنی ہَٹ پر قائم رہنا پسند کرتا ہے اس کا نتیجہ کھلم کُھلا انکار اور آخر کار وَکَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ کا مصداق بننا پڑتا ہے۔

اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ وَکَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ: اِس سے ظاہر ہے کہ اوّل انکار اور کِبر ہی ایک ایسی شئے ہے جو کہ فیضانِ الٰہی کو روک دیتی ہے۔ طاعون کے گذشتہ دَورہ میں جو الہامِ حضرت اقدس (مسیح موعود) کو ہوا تھا اس میں بھی ایک شرط لگی ہوئی تھی کہ اِنِّیۡ اُحَافِظُ کُلَّ مَنۡ فِی الدَّارِ اِلَّا الَّذِیۡنَ عَلَوۡا بِالۡاِسۡتِکۡبَارِ کبر تزکیۂ نفس کی ضِد ہے اور دونوں چیزیں ایک جامع نہیں ہوسکتیں۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيۡطٰنُ عَنۡهَا فَاَخۡرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيۡهِ وَ قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ‌وَلَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ۝

ان کو شیطان نے پھسلانا چاہا اور پھر ان کو جہاں وہ تھے وہاں سے نکال دیا۔ خازن کی تفسیر میں لکھا ہے:۔

اَزَلّ ای اِسۡتَزَلَّ اٰدَمَ وَحَوَّا وَ دَعَاهُمَا اِلَى الذَّلَّةِ وَهِىَ الۡخَطِيَّةُ (کتاب التاویل تفسیر خازن) غرض آدم علیہ السّلام اس ملک سے چل دئے اور کسی اَور زمین میں جا کر آباد ہوئے۔ توریت شریف میں لکھا ہے "خداوند خدا نے آدم علیہ السّلام کو پہلے باغِ عدن میں رکھا کہ اس کی باغبانی اور نگہبانی کرے" (پیدائش 2 باب 18 اور پیدائش 3 باب 24) آیت میں ہے اس نے آدم کو نکال دیا اور باغِ عدن کے پورب کی طرف کروبیوں کو جو چمکتی تلوار کے ساتھ چاروں طرف پھرتے تھے مقرر کیا۔ تو غالباً یہ وہ مکان تھے جہاں قائن جا کر آباد ہوا۔ سو قائن خداوند کے حضور سے نکل گیا اور عدن سے پورب کی طرف نود کی زمین میں جا رہا۔" (پیدائش 4 باب 16) اور یہ بھی فرمایا کہ ہم اِس واسطے تم کو نکالتے ہیں کہ لوگوں میں باہمی عداوت ہے اور باہمی عداوت کا یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ آخر کچھ قوموں کو نکلنا پڑتا ہے۔ سوچو آریہ ہند میں کِس طرح آئے۔ مقامِ تامّل اور غور ہے۔ اب بھی اگر ناعاقبت اندیشوں کے باعث محرّم۔ دسہرہ وغیرہ کے فسادات ہوتے رہے تو بہت ساروں کو حکم ہو گا پورٹ بلیئر چلے جاؤ اور یُوں مجبوراً قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ‌وَلَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ (پورٹبلیئر) مُسۡتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ کی تعمیل کرنی پڑے گی۔

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيۡطٰنُ: شیطان کو بھی ایک موقع معلوم ہوا اس نے پھسلانا چاہا۔

عَنۡهَا: اس درخت سے۔ قرآن مجید میں لکھا ہے کہ نَسِیَ وَلَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا (طٰہٰ:116) کچھ مدّت کے بعد آدم حکمِ الٰہی کو بھُول گئے اور یہ کسی انسان کے لئے موجبِ تعجّب نہیں ہوسکتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی نماز کے لئے تو بڑے اہتمام کے ساتھ گھر سے آتا ہے وضو کرتا ہے۔ پھر پہلی رکعت دوسری سے بالکل مختلف ہے پھر بھی بھُول جاتا ہے۔ قرآن مجید کی آیات کا بھی یہی حال ہے۔ بعض وقت معمولی آیت قرأت کے وقت بھُول جاتی ہے۔ روزہ رکھا جاتا ہے مگر بھُول کر پانی پی لیتے ہیں یہ عجائباتِ قدرت ہیں۔

اَخۡرَجَهُمَا: اللہ نے نکال دیا اس حالت سے جس میں وہ تھے۔ پھر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جب بعض تمہارے دشمن بھی ہیں تو تم چَوکس رہو۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ‌ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ۝ قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعًا‌ ۚ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ۝

اِهۡبِطُوۡا: میرا ایمان ہے کہ یہ سزا نہیں۔ آدم علیہ السلام نے خدا سے کچھ باتیں سیکھیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِذِ ابۡتَلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ یعنی کچھ احکام دئے جن کو ابراہیم نے پُورا کیا تو امام بنایا گیا اسی طرح خدا نے حضرت آدمؑ کو درجات عطا فرمائے۔

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ کے بعد قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا فرمانا اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ بطور سزا ہرگز نہیں۔ یہ قرآن شریف کے سیاق کے بالکل خلاف ہے۔

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی: ہمارا ہدایت نامہ جب آئے تو قاعدہ یاد رکھو جو تابع ہو گا اس پر کوئی خوف و حزن نہیں۔ ہر زمانے میں ایک تغیّر آتا ہے اس تغیّر میں ایک قوم خوف و حزن میں ہوتی ہے۔

رسولِ کریم ﷺ جب مبعوث ہو کر پبلک میں آئے تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا وعظ کیا۔ اس وقت دو مذہب تھے ایک موحّد دوسرے بُت پرست۔ ان میں سے جو متّبع تھے حضرت نبی کریم ﷺ کے وہ کامیاب ہوئے اور سارے عرب کو ساتھ ملا لیا مگر کافر اسی خوف و حزن میں رہے۔ عبد اللہ بن اُبَیّ اور ابو جہل کو تھوڑا رنج تھا اور پھر کفّار کو کتنا حُزن ہوا ہو گا جبکہ دونوں کے بیٹے مسلمان ہو گئے۔ غرض جو فرمانبرداری اختیار کرتے ہیں وہ سُکھ پاتے ہیں اور جو مقابلہ کرتے ہیں وہ اصحابُ النّار جَل بُھن کے کباب ہو جاتے ہیں۔

ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ مومنوں کو بھی خوف و حزن ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مومنوں کے لئے یہ وعدہ ہے وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا۔ غرض یہ خوف و حزن ایک فریق کے لئے کامیابی کا موجب ہوتا ہے تو دوسرے کے لئے ناکامی کا۔

آدم علیہ السلام نے اپنے ربّ سے کچھ کلمات سیکھے اور اس پر فضل ہوا اور اللہ نے حکم دیا کہ اَب جب کبھی ہماری ہدایت پہنچے جو اس کے تابع ہو گا اس پر کسی قسم کا خوف و حزن طاری نہ ہو گا اور جو حکم کی خلاف ورزی کرے گا اسے نقصان پہنچے گا تم سب دِل میں سوچو کہ تمہارا جی چاہتا ہے کہ تمہیں غم ہو خوف ہو۔ غموں اور خوفوں سے بچنے کا ایک ہی علاج ہے وہ یہ کہ ہدایت کی اتباع کرو اگر نہیں کرو گے تو دُکھ اُٹھاؤ گے۔ اھْبِطُوْا مِنْھَا جَمِیْعًا: یہاں سے سب کے سب نکل جاؤ۔ یہ حکم اللہ تعالیٰ کے فضل کا نشان تھا۔ حضرت آدمؑ غالباً ہند بلکہ سراندیپ میں چلے آئے جیسے جابر، ابنِ عمر، سیّدنا علی اور جماعت صحابہ اور تابعین اور مِنْ بَعْدِھِمْ سے مروی ہے۔ کیونکہ جس مکان پر کسی سے غلطی ہوتی ہے وہ منحوس جگہ اِس قابل نہیں ہوتی کہ محتاط لوگ وہاں رہیں۔ علاوہ بریں ایسے مکان سے ہجرت کرنا آئندہ کے واسطے ہشیار اور خبردار بنا دیتا ہے۔

(حقائق الفرقان جلد اوّل صفحہ 137 تا141)

❁❁❁

سعودی عرب: خواتین کی فٹ بال چیمپئن شپ اختتام پذیر، ٹیم چیمپئن بن گئی

تحریر: نادیہ الفواز

سعودی عرب کی خواتین کی ٹیم 2021-2022 کے سیزن کے لیے مملکت کی ”خواتین“ فٹ بال چیمپئن شپ پر چھا گئی۔ فائنل میچ سعودی عرب کی خواتین فٹبال ٹیم اپنی حریف ٹیم کو سات گول سے شکست دینے میں کامیاب رہی جب کہ حریف ٹیم ایک گول بھی نہیں کر سکی۔

یہ ایونٹ جدہ گورنری کے شاہ عبدالعزیز سٹی میں الردیف اسٹیڈیم میں منعقد ہوا۔ فائنل میچ کے موقعے پر جدہ میں انڈر سیکرٹری برائے سٹریٹجک پلاننگ اضوا العریفی اور سعودی فٹ بال ایسوسی ایشن کے سیکرٹری جنرل ابراہیم القاسم نے شرکت کی اور کامیاب ہونے والی کھلاڑیوں میں میڈل تقسیم کیے۔

مملکت کی ٹیم سات گول کرنے میں کامیاب رہی۔ حصۃ العیسیٰ نے سات میں سے پانچ گول کر کے ”سپر ہیٹرک“ کی۔ اسے ٹورنامنٹ میں سب سے زیادہ گول کرنے والی فٹبالر کے طور پر ویمن آف دی میچ قرار دیا گیا۔ جب کہ البندری حوساوی نے ٹورنامنٹ کے بہترین کھلاڑی کا ایوارڈ حاصل کیا۔ گول کیپر کی سطح پر بہترین گول کیپر کا ایوارڈ سارہ الدوسری نے حاصل کیا۔

اس موقعے پر سعودی فٹ بال ایسوسی ایشن کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی ممبر خواتین کے فٹ بال ڈیپارٹمنٹ کی ڈائریکٹر لمیا بن بہیان نے ٹورنامنٹ میں حصہ لینے والی ٹیموں کی سنجیدگی اور ان کی بہترین کارکردگی کو سراہا۔

انہوں نے سعودی خواتین کے فٹ بال کو علاقائی اور عالمی سطح پر مقابلہ کرنے کے قابل بنانے کے لیے حکومت کی طرف سے فراہم کردہ توجہ اور دلچسپی کو بھی سراہا۔

❁❁❁

قرآن کریم کے متعلق پانچ دعوے

اس آیت میں پانچ دعوے قرآن کریم کے متعلق پیش کئے گئے ہیں۔ اول یہ کہ قرآن اپنی دلیل آپ ہے اور اسے خدا کے سوا کوئی بنا ہی نہیں سکتا۔ اس لئے ایسے امور ہیں جو انسان کے اختیار سے باہر ہیں یعنی امور غیبیہ۔ فرماتا ہے۔ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ کہ آسمان اور زمین میں خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ مطلب یہ کہ قرآن میں غیب کی باتیں ہیں اور یہ خدا کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا۔

دوسرا دعویٰ یہ کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ پہلی کتابوں کی پیشگوئیاں پوری ہوتی ہیں

تیسرا یہ کہ اس میں پہلی کتابوں کی تشریح ہے۔

چوتھا یہ کہ ہر امر کو دلیل کے ساتھ ایسے رنگ میں بیان کرتا ہے کہ اس کے درست ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔

پانچواں یہ کہ قرآن خدا کی صفت رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کے ماتحت نازل ہوا ہے تاکہ اس کا فیضان سب قوموں کیلئے وسیع ہو۔

فرماتا ہے۔ اگر قرآن افترا ہے تو ان پانچ صفات والی کوئی سورۃ پیش کرو۔ اگر ان صفات والی سورۃ لے آؤ گے تو ہم مان لیں گے کہ انسان ایسی کتاب بنا سکتا ہے۔ لیکن اگر تم سارے مل کر بھی نہ بنا سکو۔ تو معلوم ہوا کہ ایسی کتاب کوئی انسان نہیں بنا سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس سورۃ) یونس (میں یہ دعویٰ کئے گئے ہیں اس سے پہلے جس قدر قرآن اُتر چکا تھا۔ اس میں یہ پانچ باتیں پائی جاتی تھیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا قرآن کے اس حصہ میں یہ پانچوں باتیں ہیں۔ اگر ہیں تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔

علم غیب

پہلی بات یہ بیان فرمائی کہ قرآن میں وہ باتیں ہیں جو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یعنی قرآن میں علم غیب ہے۔ اس کے لئے جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو اس کی نہایت ابتدائی سورتوں میں سے ایک سورۃ کوثر ہے جو ایک عظیم الشان پیشگوئی پر مشتمل ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انْحَرْ۔ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ رسول کریم ﷺ کے متعلق دشمن کہا کرتا کہ یہ ابتر ہے۔ اس کی کوئی نرینہ اولاد نہیں۔ اس کے بعد اس کا جانشین کون بنے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سورۃ میں فرماتا ہے کہ تو ابتر نہیں بلکہ تیرا دشمن ابتر ہے۔ رسول کریم ﷺ کس طرح ابتر نہیں۔ اور آپ کا دشمن کس طرح ابتر ہے۔ اس کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ اے محمد (ﷺ) ہم نے تیرے متعلق فیصلہ کر دیا ہے کہ ہم تجھے ایک عظیم الشان جماعت دیں گے۔ جو روحانی طور پر تیری فرزند ہو گی۔ اور اس میں بڑے بڑے اعلیٰ پایہ کے انسان ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انْحَرْ۔ اے محمد (ﷺ) تو اس خوشی میں خوب نمازیں پڑھ دعائیں کر اور قربانیاں کر۔ پھر جب ہم تیری جماعت کو اور بڑھانے لگیں تو تُو اور عبادت کر اور قربانیاں کر۔ کیونکہ ہم تیری روحانی نسل کو بڑھانے والے ہیں۔ اور یہ روحانی نسل اس طرح بڑھے گی کہ ابوجہل کا بیٹا چھینیں گے اور تجھے دے دیں گے۔ وہ ابتر ہو جائے گا۔ اور تو اولاد والا ہو گا۔ یہی حال دوسروں کا ہو گا۔ ان کے بیٹے چھین چھین کر ہم تمہیں دے دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان کے بیٹے رسول کریم ﷺ کو دیئے گئے۔ اور وہ روحانی لحاظ سے ابتر ہو گئے۔ یہی وجہ تھی کہ جوں جوں رسول کریم ﷺ کو کامیابی ہوتی گئی۔ کفار زیادہ تکلیفیں دیتے گئے۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا جو سورۃ کوثر میں بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ انبیاء رکوع ۴ میں ذکر کیا ہے۔ فرماتا ہے۔ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا اَفَھُمُ الْغٰلِبُوْنَ فرمایا۔ کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ ہم ان کے ملک کو اس کے کناروں کی طرف سے چھوٹا کرتے جا رہے ہیں۔ اور ہر روز ان کی اولادیں محمد رسول اللہ ﷺ کو دے رہے ہیں۔ کیا اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ غالب آئیں گے۔ وہ غالب کس طرح آ سکتے ہیں جب کہ ہم ان کے جگر گوشے کاٹ کاٹ کر تیرے حوالے کرتے جا رہے ہیں۔ اور انہی ابتر کہنے والوں کے بچے اور عزیز اسلام میں داخل ہو کر اس کی صداقت ظاہر کر رہے ہیں اور کفار کو بے اولاد اور آنحضرت ﷺ کو بااولاد ثابت کر رہے ہیں۔ چنانچہ مکہ کے بڑے بڑے خاندانوں کے جو بیٹے اور بھتیجے رسول کریم ﷺ کو دیئے گئے ان میں حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ، حضرت عثمان بن مظعونؓ اور حضرت سعید بن زیدؓ تھے۔ یہ لوگ ابتدا میں ہی ایمان لے آئے تھے۔ اور وہ رؤساء جو رسول کریم ﷺ کو دکھ دینے میں سب سے بڑھے ہوئے تھے یہ ان کے بیٹے اور بھانجے اور بھتیجے تھے۔ ان کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے کفار کو اور زیادہ غصہ آتا کہ یہ اپنے باپ دادا کے خلاف کھڑے ہو گئے ہیں۔ اور محمد ﷺ کی تائید کرتے ہیں۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ، ولید بن مغیرہ کے عزیز تھے۔ اور اس نے ان کو پناہ دی ہوئی تھی۔ حضرت عثمانؓ ایک دن باہر جا رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک مسلمان پر سخت ظلم کیا جا رہا ہے۔ مگر آپ کو کسی نے کچھ نہ کہا۔ انہوں نے ولید کے پاس جا کر کہا کہ میں اب آپ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتا۔ کیونکہ میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ دوسرے مسلمانوں کو تو اس طرح دکھ دیا جائے اور میں آپ کی پناہ میں محفوظ

رہوں۔ اللہ تعالیٰ مومن کے ایمان کی آزمائش کرتا ہے۔ ادھر انہوں نے پناہ ترک کی اور ادھر یہ حادثہ پیش آ گیا کہ لبید جو ایک بہت بڑے شاعر تھے ایک مجلس میں شعر سنا رہے تھے۔ کہ ایک شعر انہوں نے پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ہر چیز خدا کے سوا تباہ ہونے والی ہے اور ہر نعمت آخر میں زائل ہونے والی ہے۔ جب لبید نے پہلا مصرح پڑھا تو حضرت عثمانؓ نے کہا ٹھیک ہے۔ اس پر لبید نے غصہ سے اس کی طرف دیکھا کہ ایک بچہ میرے کلام کی داد دے رہا ہے۔ اسے اس نے اپنی ہتک سمجھا اور کہا۔ اے مکہ والو! پہلے تو تم میں ایسے بدتہذیب لوگ نہ تھے۔ اب تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ یہ بے وقوف بچہ ہے۔ اسے جانے دیں۔ حالانکہ بات یہ تھی کہ انہوں نے قرآن سنا ہوا تھا۔ اور اب ان کے نزدیک شعروں کی کچھ حقیقت ہی نہیں رہ گئی تھی۔ بلکہ خود لبید نے مسلمان ہونے پر یہی طریق اختیار کیا۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ اپنے ایک گورنر کو کہلا بھیجا کہ مجھے بعض مشہور شعراء کا تازہ کلام بھجواؤ۔ جب ان سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا۔ تو انہوں نے قرآن کریم کی چند آیات لکھ کر بھیج دیں۔

جب لبید نے دوسرا مصرح پڑھا اور کہا کہ ہر نعمت زائل ہونے والی ہے تو عثمانؓ نے کہا۔ یہ غلط ہے۔ جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہیں ہونگی۔ یہ سن کر اسے طیش آ گیا اور اس نے اہل مجلس سے کہا کہ تم نے میری بڑی ہتک کرائی ہے۔ اس پر ایک شخص نے عثمانؓ کو بُرا بھلا کہا۔ اور اس زور سے مکا مارا کہ ان کی ایک آنکھ نکل گئی۔ ولید کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ دیکھا میری پناہ میں سے نکلنے کا یہ نتیجہ ہوا۔ اب بھی پناہ میں آ جاؤ۔ حضرت عثمانؓ نے کہا۔ پناہ کیسی۔ میری تو دوسری آنکھ بھی انتظار کر رہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں نکلے۔ ان کے فوت ہونے پر رسول کریم ﷺ نے انہیں بوسہ دیا اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے اس وقت آنسو جاری تھے۔ جب رسول کریم ﷺ کا صاحبزادہ ابراہیمؓ فوت ہوا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اُلْحِقِیْ بِسَلَفِنَا الصَّالِحِ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ یعنی ہمارے صالح عزیز عثمان بن مظعون کی صحبت میں جا۔

پہلی کتب کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے والی کتاب

دوسرا دعویٰ قرآن کریم کے متعلق یہ کیا گیا ہے کہ یہ پہلی کتب کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے والی کتاب ہے۔ چنانچہ استثناء باب 18 آیت 18 میں آتا ہے۔

”خداوند تیرا خدا تیرے لئے۔ تیرے ہی درمیان سے۔ تیرے ہی بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔“

اس میں یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ وہ نبی جو آنے والا ہے وہ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہو گا بلکہ ان کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے ہو گا گویا وہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے ہی ہو گا۔ نہ کہ کسی غیر قوم سے۔ پھر اس کی علامت یہ بتائی کہ۔: ”جب وہ نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے۔ اور وہ جو اس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو۔ تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی۔“

اب دیکھو قرآن کی باتیں کیسی پوری ہوئیں۔ اور اس کی بیان کردہ پیشگوئیاں کس طرح سچی نکلیں۔ کفار نے جب رسول کریم ﷺ کے متعلق کہا کہ اس کی اولاد نہیں تو خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ ہم اسے اولاد دیں گے۔ اور ابتر کہنے والوں کی اولاد ہی چھین کر دے دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ پیشگوئی بڑی شان سے پوری ہوئی۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے اس پیشگوئی کا مصداق ہونے سے انکار کیا ہے۔ چنانچہ یوحنا باب 1 آیت 21 میں لکھا ہے۔: ”انہوں نے اس سے پوچھا۔ پھر تو کون ہے۔ کیا ایلیاہ ہے۔ اس نے کہا۔ میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔“ اسی طرح اعمال باب 3 میں لکھا ہے کہ وہ نبی مسیح کی بعثت ثانی سے پہلے اور بعثت اول کے بعد ظاہر ہو گا۔ بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ۔: ”سموئیل سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے باتیں کیں ان سب نے ان دنوں کی خبر دی ہے۔“

یہ پیشگوئی رسول کریم ﷺ کے ذریعہ پوری ہوئی۔ کیونکہ آپ ﷺ ان کے بھائیوں یعنی حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے تھے۔

اسی طرح یسعیاہ آنے والے نبی کی خبر دیتے ہوئے کہتے ہیں۔: ”تب قومیں تیری راستبازی اور سارے بادشاہ تیری شوکت دیکھیں گے۔ اور تو ایک نئے نام سے کہلائے گا۔ جسے خداوند کا مونہہ خود رکھ دے گا۔“ سوائے اسلام کے دنیا میں کوئی مذہب نہیں جس کا نام خدا تعالیٰ نے رکھا ہو۔ چنانچہ اسلام کے متعلق ہی فرمایا ہے۔ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا دوسری پیشگوئی بھی اسی کے ساتھ لکھی ہے اور وہ یہ ہے کہ: ”تُو آگے کو متروکہ نہ کہلائے گی۔ اور تیری سرزمین کا کبھی پھر خرابہ نام نہ ہو گا۔ بلکہ تو حفیضیاہ کہلائے گی۔“

یہ پیشگوئی بھی اسلام کے متعلق ہی ہے۔ چنانچہ مکہ کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا جو اس میں داخل ہو وہ امن میں آ جاتا ہے۔

پھر حضرت مسیحؑ کہتے ہیں: ”مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں۔ مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ بلکہ جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگا۔“

اب دیکھو۔ اس میں کتنی علامتیں رسول کریم ﷺ کی بیان کی گئی ہیں۔

اوّل یہ کہ آنیوالا نبی ایسی تعلیم دے گا جو مسیح تک کسی نے نہیں دی۔ گویا وہ سب سے بڑھ کر تعلیم دے گا۔

(2) وہ ساری باتیں کہے گا یعنی کامل تعلیم دے گا اور اس کے بعد اور کوئی اس سے بڑھ کر تعلیم نہیں لائے گا۔

(3) وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا۔ بلکہ کلام اللہ لائے گا۔

(4) اس کلام اللہ میں آئندہ کی خبریں ہوں گی۔

(5)وہ کلام مجھ (یعنی مسیحؑ) پر دشمنوں کے عائد کردہ الزامات کو دور کرے گا۔ یہ سب باتیں رسول کریم ﷺ پر صادق آتی ہیں۔ پہلی بات حضرت مسیحؑ نے یہ فرمائی تھی کہ وہ نبی ایسی تعلیم لائے گا جو پہلے کوئی نہیں لایا۔ قرآن کریم اس کے متعلق فرماتا ہے علم الانسان مالم یعلم یعنی قرآن کریم کے ذریعہ وہ وہ باتیں سکھائی گئی ہیں۔ جو کسی اور کو معلوم نہیں۔ دوسری بات حضرت مسیحؑ نے یہ بیان کی تھی کہ وہ ساری باتیں بتائے گا۔ قرآن کریم میں اس کے متعلق آتا ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ آج سارا دین تم پر مکمل کر دیا گیا ہے۔ پھر سورہ کہف رکوع 8 میں آتا ہے۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ہم نے اس قرآن میں ہر ضروری آیت کو مختلف پیرایوں میں بیان کر دیا ہے۔ تیسری بات حضرت مسیحؑ نے یہ بتائی تھی کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ بلکہ خدا تعالیٰ اسے جو کچھ بتائے گا اسے پیش کرے گا۔ قرآن کریم میں بھی آتا ہے۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی یہ رسول اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ خدا ہی کا کلام پیش کرتا ہے۔ باقی سب کتابوں میں انبیاء کی اپنی باتیں بھی ہیں۔ صرف قرآن ہی ایک ایسا کلام ہے جو سارے کا سارا خدا کا کلام ہے۔ پانچویں بات حضرت مسیحؑ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ نبی ان الزامات کو دور کرے گا جو مجھ پر لگائے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کو نعوذ باللہ وَلَدَ الزِّنَا کہا گیا تھا۔ اور لعنتی قرار دیا گیا تھا۔ قرآن نے ان الزامات کی پوری تردید کی۔

(حوالہ فضائل القرآن صفحہ 239 تا 244)

سعودی عرب کے بعد اب کویت میں بھی خواتین فوج میں شامل ہو سکیں گی

کویت نے اب خواتین کو بھی فوج میں کام کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ اس خلیجی ریاست کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے جب خواتین بھی عسکری عہدوں پر کام کر سکیں گی۔

کویت کی سرکاری خبر رساں ایجنسی ''کونا'' کے مطابق وزیر دفاع شیخ حماد جابر العلی الصباح نے بتایا ہے کہ اب کویتی خواتین کے لیے بھی فوج کے دروازے کھل گئے ہیں۔

وہ ملٹری سروس میں اسپیشلیٹی آفیسرز اور نان کمیشنڈ آفیسرز کے طور پر اپنا اندراج کر سکتی ہیں۔

کونا کے مطابق کویتی مسلح افواج نے وزیر دفاع نے منگل کے روز ایک ٹوئٹ کر کے کہا، ''اب وقت آ گیا ہے کہ خواتین کو بھی کویتی فوج میں اپنے بھائیوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کی اجازت دی جائے۔'' کویتی وزیر دفاع نے خواتین کی ''صلاحیتوں اور مشکل حالات میں خود کو ثابت کرنے کی اہلیت'' پر بھی اطمینان کا اظہار کیا۔

کونا کے مطابق کویتی خواتین پولیس کے شعبے میں سن 2001 سے ہی کام کر رہی ہیں، جس کے بعد اب فوج میں بھی ان کے شامل ہونے کا راستہ ہموار ہو گیا۔

کویتی وزیر دفاع نے کہا کہ ملٹری سروس میں خواتین کے اندراج کی اجازت دینے کا فیصلہ ملک کی حفاظت اور اس کی سلامتی اور استحکام کو محفوظ رکھنے میں فوج کی ذمہ داریوں میں خواتین کی بھی حصہ داری کے تحت دی گئی ہے۔

ابتدائی مرحلے میں انہیں میڈیکل اور ملٹری سپورٹ کے شعبے میں خدمات انجام دینے کی اجازت دی جائے گی۔

کویتی وزیر دفاع نے کہا کہ خواتین کو فوج میں کام کرنے کی اجازت دیے جانے سے حکومتی ایجنسیوں کو کسی بھی داخلی مشکلات کا مقابلہ کرنے میں مدد اور تعاون ملے گا۔ دوسری طرف کویتی خواتین بھی ملک کی فوجی خدمات میں اپنا تعاون دینے میں فخر محسوس کریں گی۔

خواتین کی بااختیاری

کویتی خواتین کو سن 2015 میں ووٹ ڈالنے کا حق دیا گیا تھا اور وہ کابینہ اور پارلیمان دونوں ہی جگہ کافی سرگرم ہیں۔ تاہم حالیہ پارلیمانی انتخابات میں خواتین کو ایک بھی سیٹ پر کامیابی نہیں مل سکی۔

کویت نے خواتین کو حقوق دینے اور انہیں بااختیار بنانے کے حوالے سے حالیہ چند برسوں کے دوران کافی پیش رفت کی ہے اور اب ایسے بہت سے شعبوں میں بھی خواتین موجود ہیں جن پر پہلے مردوں کی اجارہ داری سمجھی جاتی تھی۔

یاد رہے کویتی حکومت نے گذشتہ ماہ ہی تسلیم کیا تھا کہ وہ خواتین کو فوج میں شامل ہونے کی اجازت دینے پر غور کر رہی ہے۔ تاہم اب اس تصدیق نے اسے بحرین، عمان اور سعودی عرب جیسے دیگر پڑوسی ملکوں کی صف میں شامل کر دیا ہے جہاں خواتین کو فوج میں کام کرنے کی اجازت ہے۔

خلیفۂ وقت کی دعاؤں کا ثمر

تحدیثِ نعمت

تحریر: مدثرہ عباسی

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّی عَلٰی ذِکْرِکَ وَ شُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ

ترجمہ: یعنی اے میرے اللہ مجھے توفیق بخش کہ میں تیرا ذکر کروں اور تیرا شکر کروں اور احسن رنگ میں تیری عبادت کروں۔ (ابو داؤد کتاب الوتر۔ باب فی الاستغفار)

اے اللہ میرے پاس نہ تو وہ زبان ہے اور نہ ہی وہ الفاظ کہ اپنے پیارے خدا کا شکر ادا کرسکوں۔ تحدیث نعمت کے طور پر میں کچھ لکھنے کی جسارت کر رہی ہوں۔

میرا بیٹا عطاالاوّل عباسی 4 سال کی عمر سے وقفِ نو تحریک میں شامل ہے۔ اس تحریک میں شامل ہونا بھی حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا نہایت غیر معمولی شفقت اور پیار کا سلوک ہے۔ بیٹے کی پیدائش تحریک شروع ہونے سے ۴ سال پہلے کی ہے۔ پیارے آقا، حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے 1987 میں اس بابرکت تحریک کا اعلان فرمایا تو اس وقت ہماری تیسری بیٹی کی پیدائش متوقع تھی۔ میرے شوہر محی الدین عباسی نے جو خط حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت اقدس میں لکھا اس کا مضمون کچھ اس طرح تھا کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بچوں کو وقف کرنے کی تحریک فرمائی تو مولنٰا عبد المالک خان صاحب مرحوم کے والد صاحب اپنے دو بیٹوں کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا، حضورؓ آپ ان میں سے ایک کا ہاتھ تھام لیں تو میں وہ آپ کے حوالے کر دوں گا۔ تب حضرت صاحبؓ نے مولنٰا عبد المالک خان صاحب کا ہاتھ تھام لیا، حضور ہماری خواہش ہے کہ ہم اپنے تمام بچوں کو آپ کی خدمت میں پیش کر دیں جو اس تحریک وقف نو سے پہلے پیدا ہوئے ہیں اور جو بچے خدا تعالیٰ ہمیں بعد میں دے گا۔ وہ دن اور وہ لمحہ ہماری خوشی اور شکر و حمد کا دن تھا جب ہمیں حضورؒ کا دعاؤں بھرا خط موصول ہوا کہ آپکے بچوں کا وقف منظور ہے۔

تحریک وقف نو سے قبل یعنی 1983 میں بیٹا عطاالاول اور بیٹی عطیۃ الباطن 1986 میں پیدا ہو چکے تھے۔ جب سے یہ دونوں بچے بھی اس بابرکت تحریک وقف نو میں شامل ہوئے۔ وقت آنے پر اپنی زندگی وقف کرنے کے لئے خود کو پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ الحمد للہ پیارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے از راہ شفقت ایم ٹی اے جوائن کرنے کے لئے فرمایا۔ بعدہ حضور کی طرف سے تبشیر آفس کو ہدایت ملی کہ اس کو پروڈکشن میں ماسٹرز کروایا جائے، چونکہ بیٹے نے خواہش ظاہر کی تھی کہ ماسٹر کرنا چاہتا ہوں۔ اس طرح 2008 میں ایم ایس سی ڈیجیٹل پروڈکشن میں ماسٹرز کیا۔ 2018 میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس (ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) نے بیٹے کی تقرری بحیثیت ایم ٹی اے انچارج جرمنی فرمائی پھر اگست 2019 میں پیارے حضور (ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز) کی ہدایات کے مطابق ایم ٹی اے انچارج کی حیثیت سے کینیڈا تقرری ہوئی۔ جب سے یہ کینیڈا اپنی بیگم اور تین بچوں کے ساتھ شفٹ ہو گئے۔

۱۲ اپریل ۲۰۲۱ کو مجھے اپنے بیٹے کا کینیڈا سے فون آیا، اس نے بتایا کہ اسے بخار ہو گیا ہے۔ آجکل بخار کا ہوجانا ایک نارمل بات نہیں سمجھی جاتی اسلئے میں نے فوراً کہا کہ اپنا کرونا ٹسٹ کروالیں۔ جواب ملا کہ یہاں موسم بدل رہا ہے ہوسکتا ہے کہ یہ موسمی بخار ہو لیکن میں نے اپنے آپ کو احتیاطاً سیلف آئیسولیٹ کرلیا ہے۔ ٹسٹ ٹک کروایا تو چار دن بعد کی تاریخ ملی اور پھر اس کی رپورٹ آئی تو اس نے سخت پریشان کر دیا کیونکہ بدقسمتی سے میرا بیٹا اس وبا میں مبتلا ہو چکا تھا۔ انہیں نہیں معلوم کہ کیسے یہ ہوا جبکہ وہ بہت محتاط تھا۔ ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق دس دن کی آئسولیشن گھر پر مکمل کر لی مگر گیارھویں دن پھر بخار نے آلیا اور اگلے روز بھی وہی کیفیت رہی، بہرحال جب ڈاکٹر سے فون پر بات ہوئی تو اس کی تجویز کے مطابق اگر بخار نہ اترے تو ہسپتال چلے جائیں۔ مگر الحمد للہ اس وقت سے چند گھنٹوں میں بخار اتر گیا اور بیٹے کو لگا کہ اب میں ٹھیک ہو رہا ہوں لیکن اسی رات کو بخار مسلسل رہا صبح ہونے تک کورونا وائرس اس کے پھیپھڑوں پر انتہائی اثر انداز ہو چکا تھا اور نہایت نازک حالت ہو چکی تھی یہاں تک کہ میری بہو کو ایمرجنسی ایمبولنس کو بلانا پڑا۔ انہیں فوری طور پر ہائی ڈوز آکسیجن دی گئی اور میکینزی ہیلتھ ہسپتال رچمنڈ میں منتقل کر دیا گیا اُس وقت بیٹے کی یہ کیفیت تھی کہ اسے شروع کے کچھ دنوں تک آکسیجن کی ہائی ڈبل ڈوزز لگائی گئیں یہ ناامیدی کی حالت کچھ دن لگاتار جاری رہی۔

ہسپتال میں داخل ہونے کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد ڈاکٹر کا فون میری بہو عیشۃ الراضیہ کو آیا کہ آپکے شوہر کی عمر چھوٹی ہے مگر حالت بہت زیادہ نازک ہے، کچھ سوالات پوچھے گئے یعنی بچے کتنے ہیں، بچوں کی کیا عمریں ہیں وغیرہ، ڈاکٹر نے کہا کہ آپ کو اپنے بچوں کے لئے مضبوط ہونا پڑے گا اور یہ کہ اپنا فون اپنے پاس رکھنا کسی بھی وقت آپ کو انتہائی نگہداشت سے ڈاکٹر فون کر کے بتائیں گے کہ ہم کسی بھی لمحے آپ کے شوہر کو وینٹیلیٹر پر ڈالنے والے ہیں اور یہ کہ اس کے بعد بھی زندگی کے ۵۰ فی صد چانسز ہونگے، ہوسکتا ہے وہ صحتیاب ہوجائے، ہوسکتا ہے نہ بھی ہو۔ ہسپتال میں داخل ہونے کے چند روز بعد تک بھی ڈاکٹرز کے جو فون میری بہو کو آتے رہے وہ یہی بتاتے رہے کہ حالت بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ آکسیجن لیول بہت کم ہے۔

دعاؤں کے معجزات:

پھر خدا کی شان اور معجزہ دیکھیں اور ہمارے پیارے خلیفۂ وقت (ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)، خاندان مسیح موعودؑ، مربیان کرام کی دعاؤں اور ایک واقف زندگی کے لئے حسنِ سلوک اور پوری دنیا کے احباب جماعت کی دعاؤں سے خدا تعالیٰ کی قدرت جلوہ افروز ہوئی اور دعاؤں کی قبولیت کی گھڑی آگئی کچھ دنوں میں آکسیجن ۵۰ لیٹر سے

۱۵ لیٹر پر آ گئی اور اسطرح پر دعاؤں اور ڈاکٹرز کی بہترین توجہ سے عطأالاوّل صحتیابی کی طرف لَوٹنے لگا پھر ہم ہر آنے والے دن پر دعاؤں کا ایک نیا معجزہ دیکھتے چلے گئے اس عرصہ میں مسلسل کئی بار حضرت صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں دعا کی درخواست ہوتی رہی اور حضرت صاحب کی طرف سے ازراہ شفقت دعائیں اور تسلی بخش پیغامات موصول ہوتے رہے۔

اس دوران اچانک مجھے حضرت یونسؑ کی دعا کو بار بار پڑھنے کی طرف تحریک ہوئی اور میں نے اس دعا کو سینکڑوں بار پڑھا اور اپنے بیٹے کو بھی اس دعا کی آواز ریکارڈ کر کے بھیج دی تا کہ وہ صرف ایک کلک کرے اور سن لے اور دہرا سکے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (21:88)

ترجمہ: کوئی معبود نہیں تیرے سوا۔ تُو پاک ہے۔ یقیناً میں ہی ظالموں میں سے تھا۔

پھر حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی ایک الہامی دعا کی طرف بہو کی والدہ صاحبہ نے توجہ دلائی جو کہ بیٹے نے ہسپتال قیام کے آخری دنوں میں بہت پڑھی:

بِسۡمِ اللہِ الکافی بِسۡمِ اللہِ الشّافی بِسۡمِ اللہِ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡم بِسۡمِ اللہِ الۡبَرِّ الۡکَرِیۡم یا حفیظ یا عزیز و یا رفیق یا وَلِیِّ اشۡفِنِی۔

ترجمہ: میں اللہ کے نام سے مدد چاہتا ہوں جو کافی ہے۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو شافی ہے۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو احسان کرنے والا اور عزت والا ہے۔ اے حفاظت کرنے والے اے عزت وغلبہ والے اے ساتھی اے دوست مجھے شفا دے۔ آمین۔

علاوہ ازیں وہ تمام دعائیں جو ذہن میں آتی گئیں ہم پڑھتے رہے اور مسلسل صدقہ وخیرات بھی کرتے رہے۔ الحمد للہ کہ پیارے اللہ نے قبول بھی کیا۔

پیارے آقا کی والہانہ محبت:

اہل خانہ، دنیا بھر سے ہزاروں احمدی احباب، رشتے دار اور سب سے بڑھ کر میرے پیارے آقا خلیفہ ءوقت حضرت امیر المؤمنین (ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)، ہمارے بیٹے کے لئے دعائیں کر رہے تھے۔ یہ انہیں کی شفقت اور دعاؤں کا ثمر اور معجزہ تھا۔ عطاالاوّل کی اس جان لیوا بیماری کے دوران پیارے آقا کی طرف سے پہلا پیغام میرے بھائی آصف محمود باسط کے ذریعہ جو ملا وہ یہ تھا کہ ''خدا تعالیٰ فضل کرے گا'' دل کو سکون ملا اور پھر دوسرا پیغام منیر عودہ صاحب کے ذریعہ میرے بیٹے کو ملا، ''اس کو کہو گھبرانا نہیں ہے، گھبراہٹ انسان کو مار ڈالتی ہے۔ اللہ فضل کرے گا'' مزید تسلی کا باعث بنا، پھر آصف باسط کے ذریعہ یہ پیغام ملا کہ جب وہ ٹھیک ہو کر گھر آ جائے تو اس سے کہنا، '' اچھی خوراک کا استعمال کرے، ماسک پہن کے رکھے اور تیسرا یہ کہ کھلی تازہ ہوا میں سانس لے ''۔ میرے پیارے آقا کے کسقدر دل کو تسلی دینے والے الفاظ تھے۔ پیارے آقا دفتری سٹاف اور امیر صاحب کینڈا کے توسّط سے بیٹے کا حال احوال دریافت فرماتے رہے۔ ماہِ رمضان تو ویسے ہی صدقہ جات کے لئے مخصوص ہوتا ہے پھر بیٹے کی بیماری میں خدا تعالیٰ کی طرف سے صدقات کی زیادہ توفیق ملتی رہی۔ ہمیں پوری دنیا سے بہت زیادہ دعاؤں کے ذریعہ احباب جماعت کی سپورٹ بھی ملتی رہی۔ روزانہ ہمیں سینکڑوں فون اور پیغامات پُرسوز دعاؤں کے موصول ہوتے رہے۔ اب اس بات کا احساس شدت سے ہوُا کہ ہماری جماعت کے افراد دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوں، ہم سب ایک خلافت کے سائے تلے ایک ہیں۔ ان میں سے بہت سوں نے صدقہ خیرات اپنے طور پر بھی کیئے اور رمضان کے آخری عشرہ میں، اعتکاف بیٹھے ہوئے احباب نے بھی بہت دعائیں کیں علاوہ ازیں احمدی بھائیوں اور بہنوں کی طرف سے اکثر احمدی دوست جو میرے بیٹے کو جانتے تھے اس کی خوبیوں کا ذکر کرتے رہے، بہت دعائیں دیتے رہے۔ ہمارا حوصلہ بڑھاتے رہے اور یہ بھی کہ ہم اکیلے نہیں ہیں، ہمارے ساتھ ہمارے پیارے خلیفہ، ہمارے والدین، بہنیں، بھائی، تمام رشتہ دار اور ہماری پوری جماعت بیٹے کی کامل صحت کے لئے دعاؤں میں شامل ہیں۔

تقریباً بارہ دن کے اس کرونا سے جہاد کے بعد انہیں انتہائی نگہداشت کے ہسپتال سے ایک دوسرے ہسپتال واہن میں منتقل کیا گیا کیونکہ اب انہیں ایمرجنسی نگہداشت کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ یہاں یہ بتاتی چلوں کہ واہن ہسپتال ٹورانٹو میں ہماری مسجد بیت السلام کے نزدیک نیا تعمیر ہوُا تھا اور اس کی تعمیر میں جماعت کینڈا نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور اسی طرح میرے بیٹے کا گھر اور ان کا ایم ٹی اے کا دفتر بھی وہاں سے بالکل قریب ہے میرے بیٹے کو یہ احساس کہ مجھے ہسپتال کی کھڑکی سے ہماری مسجد نظر آتی ہے، بہت تسکین کا باعث اور مسرت بخش تھا پھر اس ہسپتال منتقل ہونے کے چار دن بعد ہسپتال سے چھٹی بھی ہوگئی۔ الحمد للہ

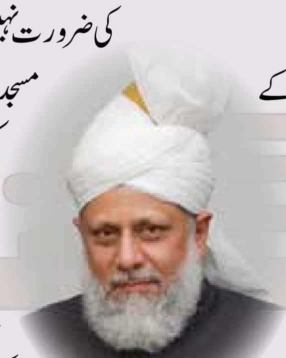

تیرا یہ سب کرم ہے تو رحمت اتم ہے
کیونکر ہو حمد تیری کب طاقت قلم ہے
تیرا ہوں میں ہمیشہ جب تک کہ دم میں دم ہے
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِی

ہسپتال جانے سے پہلے اور ہسپتال سے واپس آنے کے بعد پیارے آقا کی تجویز کردہ ہومیو پیتھک دوائی کا استعمال بھی جاری رکھا اور اچھی خوراک کا استعمال بھی جاری ہے۔ جب بیٹے کو دوسرے ہسپتال منتقل کرنا تھا تو اس وقت وہ تمام ڈاکٹر بیٹے کے پاس آئے جنہوں نے اس کی بیماری کی حالت شروع میں دیکھی تھی اور بیٹے کو بتانے لگے کہ آپ کی صحتیابی ہمارے لئے بھی ایک معجزہ ہے ورنہ ہم تو ناامید اور مایوس ہو گئے تھے۔

گھر کے حالات:

مزید برآں ان دنوں بیٹے کے گھر کے حالات یہ کہ سب فیملی کے ٹسٹ کا نتیجہ کرونا مثبت آیا۔ اللہ کا شکر کہ بچوں میں کوئی علامات نہیں تھیں تاہم عیشہ (اہلیہ عطأالاول عباسی) کو کبھی کبھار کمزوری کا احساس رہا کیونکہ اس کے لئے تو یہ بھی مشکل تھا کہ ان حالات کا مقابلہ خود کرتی رہی، ڈاکٹرز اور نرسوں سے رابطہ

کرنا، پھر ہمیں اور اپنے والدین کو بھی بیٹے کی صحت سے مطلع کرنا اور تمام حال احوال پوچھنے والوں کی کالز لینا اللہ کا شکر ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہمت دیئے رکھی۔ بیٹے کی بیماری کے دوران بہو نے جس حکمت سے کام لیا وہ قابل دید ہے۔ اسکے والدین کینیڈا میں ہی رہتے ہیں، کھانا وغیرہ اور ضرورت کی اشیاء گھر کے باہر تک پہنچاتے رہے مگر بے بسی یہ کہ گھر کے اندر نہیں جا سکتے تھے، میرے شوہر کے دونوں احتیاطی ٹیکے لگ چکے تھے اور ان کے دل میں ایک تڑپ کہ میں کسی طرح اپنے بیٹے کے گھر پہنچ جاؤں اور گھر میں بچوں کے پاس انہیں کچھ تسلی، حوصلہ اور ہمت دے سکوں مگر حالات سے مجبور کیونکہ سرحدیں بند۔۔۔۔اور یہی میرا حال تھا۔ اس موقع پر انسان کتنا بے بس ہے اس کا اندازہ تو آپ بخوبی لگا سکتے ہیں۔

الحمد للہ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل، تائید و نصرت اور خلیفہ وقت کی دعاؤں سے بیٹے کو صحت عطا کی اور الحمد للہ کہ بیماری کے بعد سے اللہ تعالیٰ اسے جماعتی خدمات کے ذریعہ اپنا وقف نبھانے کی توفیق دے رہا ہے۔ اس کے تینوں بچے بھی خدا کے خاص فضل سے وقف نو تحریک میں شامل ہیں۔ پیارا خدا انہیں بھی اپنا وقف نبھانے کی توفیق عطا کرے اور خلیفہ وقت کے لئے سلطان نصیر ہوں۔ ہم لندن میں رہتے ہیں دوریاں تو ہیں ہی لیکن سفر کی مجبوریاں بھی شامل حال رہیں جبکہ پچھلے سال تو ٹکٹ بھی بُک تھیں مگر کرونا کی وجہ سے بارڈر بند۔ یہ دوریاں اور مجبوریاں اپنی جگہ قائم۔۔۔اس لئے اپنے بیٹے سے ملے ہوئے ویسے ہی کافی عرصہ ہو چکا تھا۔ الحمد للہ کہ اسی سال پیارے خدا نے بیٹے اور بچوں سے ملنے کے مواقع فراہم کئے، جیسے ہی بارڈرز کھلے ہم کینیڈا اور پھر امریکہ بیٹی منزہ خان کے پاس گئے، الحمد للہ کہ داماد غالب خان بھی واقف زندگی ہے، اس کی تقرری امریکہ میں ہے۔ سب سے چھوٹی بیٹی آمنہ عباسی بھی وقف نو تحریک میں شامل ہے۔ اس طرح بیٹے سے مل کر، بیٹے کی اچھی صحت دیکھ کر اور اس کو لگن کے ساتھ اپنے کام کرتے دیکھ کر اللہ تعالیٰ نے دلی سکون اور مسرت عطا کیا۔ ثم الحمد للہ۔

میرے ابوجان، مولانا عبد الباسط شاہد نے ہمیشہ ہمیں نصیحت کرتے ہیں۔ ایک توکّل علی اللہ اور دوسرا خلافت سے وابستگی۔ اللہ کرے کہ ہم اور ہمارے بچے بھی ہمیشہ اللہ پر توکل کرنے اور خلافت سے خود کو اور اپنی اولاد کو جوڑے رکھنے والے ہوں۔ خلافت سے بے پناہ عقیدت اور محبت کرنے والا بنائے۔ پیارا خدا ہمیں ان خوش نصیبوں میں شامل رکھے جنہیں امامِ وقت کا قرب نصیب ہوا جو خلافت کے گھنے شجر سے وابستہ ہیں۔ اس کی برکتوں کے نظارے ہم دن رات دیکھتے رہیں۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ خلافت سے ہمارا اور ہماری اولاد کا پختہ تعلق قائم فرمائے اور اسے مزید بڑھاتا چلا جائے۔ آمین ثم آمین۔

❁❁❁

خواتین ڈائجسٹ

لجنہ ترانہ

عطیہ سلمان (آسٹریلیا)

قوم کی معمار، ہم ہیں لجنہ اماء اللہ
دین کا حصار ہم ہیں لجنہ اماء اللہ
ہم ہیں لجنہ اما اللہ، لجنہ اماء اللہ

جس کے دم سے باغِ احمد میں بہار
وہ بادِ نو بہار ہم ہیں لجنہ اما اللہ
ہم ہیں لجنہ اما اللہ لجنہ اماء اللہ

ہمیں توفیق، خدمتِ دینِ احمد ملی ہے
دینِ حق کی علمبردار، ہم ہیں لجنہ اماء اللہ
ہم ہیں لجنہ اماء اللہ لجنہ اماء اللہ

ہےجن کے ہاتھ باگ خدام احمد کی
وہ باگ دار، ہم ہیں لجنہ اماء اللہ
ہم ہیں لجنہ اما اللہ، لجنہ اما اللہ

دین کی غیرت پر جو کٹ مرنے کو تیار
وہ سپہ سالار، ہم ہیں لجنہ اما اللہ
ہم ہیں لجنہ اما اللہ لجنہ اماء اللہ

جس میدان میں اتریں وہی میدان ہمارا ہو
ایسی شہ سوار، ہم ہیں لجنہ اماء اللہ
ہم ہیں لجنہ اماء اللہ لجنہ اماء اللہ

خلیفہ کی اطاعت لازم ہے سب پر
ہم طاعت گزار ہم ہیں لجنہ اما اللہ
ہم ہیں لجنہ اما اللہ لجنہ اما اللہ

سیراب جس سے ہو دینِ حق کی زمین
وہ چشمہءسار، ہم ہیں لجنہ اماء اللہ
ہم ہیں لجنہ اماء اللہ لجنہ اماء اللہ

دِن رات خدمتِ دین پر، ہیں ہم مامور
خدائی خدمت گار، ہم ہیں لجنہ اماء اللہ
ہم ہیں لجنہ اماء اللہ لجنہ اماء اللہ

عورت پر تشدد زمانہ جاہلیت کی ریت

تحریر: علیشا صائمہ۔ ٹیکسلا

عورت جسے آج سے چودہ سو سال پہلے تمام حقوق دے کر اس کی اہمیت کو بڑھا دیا گیا۔ اسے ہر رشتے میں عزت و احترام سے نوازا گیا۔ چاہے وہ بہن ہے، بیٹی ہے بہو ہے یا بیوی تمام رشتوں میں اس کے تقدس کا خیال رکھا گیا۔

معاشرے کی سب سے اہم اکائی خاندانی نظام ہے۔ جس میں میاں بیوی کو اہم حیثیت حاصل ہے۔ دونوں کے لئے میانہ روی کا رویہ اختیار کرنا نہایت ضروری ہے۔ مرد کو خاندان کے سربراہ کی حیثیت حاصل ہے۔ تو بیوی کو اسی خاندان میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

بیوی کے حوالے سے بات کی جائے تو اسے فرائض کے ساتھ حقوق بھی دیئے گئے۔

لیکن آج مردوں کے اس معاشرے میں عورت کو بحیثیت انسان نہیں لیا جاتا نہ ہی اس کی انفرادیت کی قدر ہے۔ جس کی وجہ سے بہت سے مسائل جنم لے رہے ہیں۔ مرد عورت کو بیوی کی صورت میں اپنی ملکیت سمجھتا ہے۔ اور یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ جیسا سلوک چاہے روا رکھ سکتا ہے۔ اگر اسلام نے مرد کو عورت کا نگہبان مقرر کیا ہے تو عورت کا تحفظ بھی اس کی ذمہ داری ہے۔

وہ زمانہ جاہلیت کی ریت اپنا کر عورت پر تشدد کا قائل نہ ہو کیونکہ عورت و مرد دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق و فرائض متعین ہیں۔ اگر عورت فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کر رہی تو مرد بھی اس کے تمام حقوق ادا کرنے کا پابند ہے۔ محض چھوٹی چھوٹی باتوں کو اشو بنا کر عورت پر ہاتھ اٹھانا، گالی دینا اس پر جسمانی تشدد کرنا کسی بھی طرح مردانگی نہیں ہے۔

اس لئے مرد کو بیوی کی حیثیت سے نہ صرف عزت دینی ہے بلکہ اس کا بہترین نگہبان بن کر دکھانا ہے۔ کیونکہ عورت کے ساتھ بہترین معاملہ کرنے کا کہا گیا ہے۔ اسے مارنے یا اس پر ظلم کرنے کی قطعاً اجازت مذہب اسلام نے نہیں دی ہے۔ نیک عورت کو دنیا کی بہترین متاع قرار دے کر اس کی عزت میں اضافہ کیا گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے۔ ''

" دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی ہے "

مرد کو اپنی بیوی کی عزت کرنی چاہیے۔ اور کوشش کرنی چاہیے کہ اس کے حقوق کی پاسداری کرے کیونکہ ایک عورت جو بیوی کے روپ میں اس کے گھر آئی ہے اس نے مرد کے مکان کو گھر بنایا ہے۔

لیکن جو مرد صرف اپنے آپ کو برتر سمجھ کر عورت پر ظلم کرتا ہے۔ اسے اپنے اس رویئے پر غور کرنا چاہیے۔ یہ اس کی سب سے بڑی غلط فہمی ہے۔ کہ وہ عورت کے ساتھ جیسا سلوک روا رکھے اسے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اس میں وہ نہ صرف جسمانی تشدد کرتا ہے بلکہ عورت کو ذہنی اذیت دے کر خوش ہوتا ہے۔

دونوں پر بحیثیت انسان ایک دوسرے کا احترام ضروری ہے۔ تاکہ معاشرے میں خاندانی نظام کو ٹوٹنے سے بچایا جا سکے۔ جو معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔

❀❀❀

ادارتی پالیسی

آبگینے خواتین ڈائجسٹ کی ادارتی پالیسی واضح ہے مذہبی اور غیر مذہبی نقطۂ نظر پر اور اظہار آزادی پر کوئی پابندی نہیں۔ یہ سیاسی، مذہبی، لسانی، علاقائی، تعصب اور عصبیت سے پاک ہے۔ اس کا کسی طبقہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم تمام مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والوں کو خوش دلی سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ آیئے اپنا موقف بلا خوف و خطر بیان کیجیے۔ لیکن دوسروں کے جذبات کا احترام آپ کا اور ہمارا اخلاقی فرض ہے۔ اپنا مضمون یا منظوم کلام ہمیں بھیجنے سے قبل اس کو اچھی طرح سے پڑھ لیں تاکہ کمپوزنگ (ٹائپ) کی غلطیاں آپ خود نکال سکیں۔ تحریر میں غلطیاں کم ہونے کی صورت میں جلد قابل اشاعت ہو گی۔ یاد رہے متن میں تبدیلی کرنا ایڈیٹر کا اختیار ہوتا ہے ضروری امر یہ ہے کہ مضمون یا کلام وہی قابل اشاعت ہو گا جو پہلے کسی اخبار یا انٹرنیٹ سوشل میڈیا پر شائع نہ ہوا ہو۔ علاوہ ازیں آپکی تحریر ایک ہزار الفاظ سے زیادہ نہ ہو بعض صورتوں میں استثناء دیا جا سکتا ہے۔

اُمید ہے کہ آپ ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ

مدیرہ عباسی
مدیرہ

پاکستان میں لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم... ایک ٹیبو

تحریر: عائشہ گوہر علی

پاکستان میں لڑکیوں کی اعلی تعلیم کو ایک ممنوع موضوع سمجھا جاتا ہے اس سلسلے میں لڑکیوں کا اعلی تعلیم حاصل کرنے کے لیے وقت گزارنا، گھر سے باہر رہنا یا اپنی تعلیم کی تکمیل کو سامنے رکھ کر اپنے زندگی کی ترجیحات کو طے کرنا پاکستانی معاشرے میں اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے۔ زیر نظر مضمون میں ہم کچھ ایسے ہی عوامل پر بحث کریں گے کہ جو ہمارے ہاں لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کو پاکستان میں ممنوع بنا رہے ہیں۔

لڑکیوں کی عمر: تعلیم حاصل کرنے والی لڑکیوں کو سب سے پہلے جس مشکل سے گزرنا پڑتا ہے وہ بڑھتی ہوئی عمر ہے۔ پاکستانی معاشرے میں لڑکیوں کی شادی کی عمر 18 سے 20 سال کے درمیان آئیڈیل سمجھی جاتی ہے۔ پاکستانی معاشرہ یہ سمجھتا ہے کہ لڑکی جتنی کم عمر ہوگی وہ سسرال کے ماحول میں اتنی ہی جلدی اپنے آپ کو ڈھال لے گی۔ اعلی تعلیم حاصل کرنے کے دوران لڑکیاں اپنی عمر کے ایک بڑے حصے کو گزارتی ہیں نئے تجربات اور شعور و حقوق سے آگاہی حاصل کرتی ہیں۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ اپنی تعلیم کا استعمال کرنے کے لئے نوکری کے سلسلے میں کوششیں کرتی ہیں پھر اس کے بعد کہیں جا کر شادی کا نمبر آتا اس وقت تک لڑکی پچیس سے تیس سال کی عمر تک پہنچ جاتی ہیں ہیں۔ لڑکی کی یہ وہ عمر ہے جو پاکستانی معاشرے میں زیادہ تصور کی جاتی ہے اور اس کے لئے اچھا رشتہ تلاش کرنا ایک ایسا کار داد جو والدین کے لئے کسی ڈراونے خواب کی طرح ہے۔

عورت کا باشعور ہونا: پاکستانی معاشرے میں لڑکیوں کی پختگی سوچ اور فکر کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ ہمارے یہاں جب لڑکے کی شادی کے لئے خواتین کسی کے گھر لڑکی دیکھنے جاتی ہیں تو ان کا سب سے پہلا خیال لڑکی کی عمر کے بارے میں ہوتا ہے۔ اٹھارہ سے بیس سال تک کے درمیان کی لڑکی بہترین سمجھی جاتی ہے کیوں کہ عام تصور یہ ہی ہے کہ کم عمر لڑکی جلد سسرال کے ماحول میں گھل مل جائے گی اور شعور و علم کی کمی کے باعث اپنے حقوق کی آواز بلند نہیں کرے گی۔ لہذا والدین کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ وہ لڑکی کی کم عمر میں شادی کر دیں تاکہ آنے والے وقت میں رشتوں کی کمی اور عمر گزر جانے کے خوف سے نجات حاصل کر سکیں۔

مالی معاملات: لڑکیوں کی اعلی تعلیم پر جو رقم خرچ کی جاتی ہے اس کا واپس وصول کیے جانے کا کوئی تصور پاکستان میں نہیں ہے ہے لڑکی شادی کے بعد اپنے سسرال چلی جاتی ہے اور اگر وہاں اپنی تعلیم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی کاروبار یا نوکری کرتی ہے تو وہ تمام تر آمدنی اس کے شوہر اور سسرال کا حق بن جاتی ہے۔ والدین جو لڑکی کی اعلی تعلیم پر بہت سی رقم خرچ کر چکے ہوتے ہیں انہیں اس کا کچھ حصہ وصول نہیں ہوتا مزید یہ کہ انہیں تعلیم کے ساتھ ساتھ لڑکی کی شادی کے لئے جہیز اور دیگر اخراجات کے لیے بھی رقم کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ لہذا پاکستان جیسے غریب ملک میں جہاں کی زیادہ تر آبادی غربت کی سطح سے نیچے زندگی گزار رہی ہے وہاں والدین کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں بچتا کہ وہ جو رقم لڑکی کی تعلیم پر خرچ کرتے ہیں لڑکی کی شادی پر خرچ کر دیں اور اپنے فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہو جائیں۔

کم تعلیم یافتہ لڑکے: لڑکیوں کی اعلی تعلیم کی راہ میں دوسری بڑی رکاوٹ رشتے کے متلاشی مرد کا کم تعلیم یافتہ ہونا ہے۔ ایک لڑکی اعلی تعلیم حاصل کر لیتی ہے تو پھر اس کے جوڑ کا رشتہ تلاش کرنا بھی ایک بہت بڑا مسئلہ بن جاتا ہے۔ اعلی تعلیم یافتہ لڑکی اعلی تعلیم یافتہ لڑکے سے شادی کرنا چاہتی ہے جبکہ اعلی تعلیم یافتہ لڑکے کے والدین اپنے لڑکے کی شادی کی عمر لڑکی سے کرنا چاہتے ہیں اور یوں ایک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والی لڑکی اتنی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود اپنے جوڑ کا ہمسفر تلاش نہیں کر پاتی۔ یہ وہ خوف ہے جو والدین کو لڑکیوں کی اعلی تعلیم کی طرف جانے سے روکتا ہے۔

اعلی تعلیم کے لئے سفر: پاکستان کے چھوٹے شہروں میں اعلی تعلیمی اداروں کا فقدان ہے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے خواہشمند طلبا و طالبات بڑے شہروں باہر غیر ملکی یونیورسٹیوں میں داخلہ لینے پر مجبور ہیں۔ اگر ایک لڑکی اعلی تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہے تو اسے اپنا گھر چھوڑ کر دوسرے شہر یا ملک جانا پڑے گا۔ جب کہ ہمارا معاشرہ اکیلی لڑکی کا گھر سے باہر رہنا پسند نہیں کرتا۔ والدین ارد گرد کے لوگوں کی باتوں کے خوف سے لڑکیوں کو اعلی تعلیم کے لیے کہیں دور بھیجنے کے روادار نہیں ہوتے ہیں۔

مخلوط تعلیم: لڑکیوں کی اعلی تعلیم کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ مخلوط تعلیم بھی ہے۔ ڈراموں اور فلموں میں مخلوط تعلیم کے منفی پہلو کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ کم پڑھے لکھے والدین ان ڈراموں فلموں سے متاثر ہوتے ہیں اور اپنی لڑکیوں کو ایسے ماحول سے دور رکھنا چاہتے ہیں جہاں وہ نامحرم مردوں کے ساتھ تعلقات بڑھائیں اور بعد میں پسند کی شادی تک بات جا پہنچے۔

مردانہ انا: ایک عام پاکستانی مرد کی انا اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اس کی بیوی اس سے زیادہ تعلیم یافتہ ہو یا اس سے زیادہ کماتی ہو۔ اس معاملے میں عموماً بہت تنگ ذہن ہے اور اور وہ اپنی بیوی کو اپنے کمتر دیکھنا پسند کرتا ہے لہذا والدین اس خوف میں مبتلا رہتے ہیں کہ ایسا نہ ہو اعلیٰ تعلیم کی وجہ سے لڑکی اپنے شوہر کی نظروں میں وہ مقام نہ حاصل کر سکے جو ایک کم تعلیم یافتہ عورت حاصل کر لیتی ہے۔

لڑکیوں کی ڈیمانڈ: جیسا کہ اوپر مذکور ہے کہ تعلیم یافتہ لڑکی اپنے لئے اعلی تعلیم یافتہ شوہر پسند کرتی ہے۔ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص ایک کم تعلیم یافتہ لڑکی کے ساتھ شادی کر کے بہت خوش و خرم زندگی گزار سکتا ہے لیکن اعلیٰ تعلیم یافتہ عورت کم تعلیم یافتہ مرد سے شادی پر رضامند نہیں ہوتی اس کے علاوہ جس شعبہ زندگی میں لڑکی کام کرتی ہے وہ یہ چاہتی ہے کہ اسی شعبہ زندگی سے اسے شوہر میسر آئے اور ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔

زچگی کے مسائل: یہ ایک بہت بڑا فیکٹر ہے جو پاکستان میں لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم سلسلے میں رکاوٹ بنتا ہے۔ وہ یہ سوچ ہے کہ اگر لڑکی کی عمر زیادہ ہوگئی تو وہ زچگی کے مسائل کا شکار ہو جائے گی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جب پاکستانی خواتین اپنے بیٹے کے لڑکی کی تلاش کرتی ہیں تو وہ کم عمر ترین لڑکی کو پسند کرتی ہیں اس کے پیچھے ان کی سوچ یہی ہوتی ہے کہ لڑکی جتنی کم عمر ہوگی اتنی ہی جلدی وہ ماں بننے پر آمادہ ہو جائے گی اور نئی نسل کو دنیا میں لے آئے گی۔

انتہا پسندی کے اسباب اور تدارک

تحریر: رفعت امان اللہ - پاکستان

انتہا پسندی کے معنی

حد سے تجاوز کرنا، کسی کام کو اس کی ابتدائی منازل ترک کر کے انتہائی مدارج سے شروع کرنا یعنی حالات یا نظام کو بالکل بدل دینے کی حمایت کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا ہے یعنی وہ اس زمین پر پائی جانے والی تمام مخلوقات میں سب سے بہتر ہے۔ خدا نے انسان کو عقل کی بنیاد پر دوسری مخلوقات سے ممتاز کیا ہے۔ یہ انسان کا کام ہے کہ وہ سوچے سمجھے اور درست فیصلہ کرے۔ ارشاد خداوندی ہے:

''اُس اللہ نے زمین و آسمان کی ہر چیز کو تمہارے لیے مسخر کر دیا اور فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔'' (سورۃ جاثیہ آیت 13)

اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات انسان کے لئے مسخر کی ہے۔ اس نے واضح فرمایا ہے کہ یہ علم و حکمت کے موتی اس کو ملیں گے جو غور و فکر سے کام لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے انسان کو ہدایت پر قائم رکھنے کے لیے دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے جو انسان کی تعلیم و تربیت اور اسے باخدا انسان بنانے کی حکمت کے تحت آئے، جنہوں نے انسان کو خدا کے احکامات سے آگاہی دی اور انہیں زمین پر ایک معاشرہ کی صورت مل جل کر رہنے کے قابل بنایا۔

انتہا پسندی کا کسی معاشرے میں موجود ہونا اس معاشرے کی رسوائی اور گراوٹ کا منہ بولتا ثبوت ہوتا ہے۔ اختلاف رائے ہر انسان کا جائز حق ہے، اسے ناجائز سمت لے کے چلنا اور پھر اس سے معاشرے کو نقصان پہنچانا یہ قابل قبول نہیں اور خدا کی قائم کردہ حدود کو توڑنے کے مترادف ہے۔

انتہا پسندی ابتدائی زمانہ سے ہی انسان کے اندر کسی نہ کسی صورت میں داخل رہی ہے، جیسے جب بھی دنیا میں کوئی نبی اپنی نبوت کا اعلان کرتا تو اس وقت کے عوام اسے طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے اور ہر طرح سے اس کی مخالفت کرتے۔ اس کی سب سے بڑی مثال ہمارے پیارے آقا حضرت محمد ﷺ ہیں جنہیں ان کے اپنے ہی لوگوں نے اس حد تک اذیت پہنچائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اتنا کسی نبی کو نہیں ستایا گیا جتنا مجھے ستایا گیا ہے''

اسباب

جب کسی شخص کو اس کا جائز حق صحیح طریقے سے نہیں ملتا اور وہ محروم کر دیا جاتا ہے اور اس کی آنکھوں کے سامنے، اس کے جائز حق کو ناجائز طریقے سے کوئی دوسرا استعمال کرتا ہے تو انتہا پسندی وجود میں آتی ہے بدقسمتی سے پاکستان جیسے غریب ملک میں وسائل کی تعداد تو بہت کم ہے مگر مسائل کی بھرمار ہے، غربت ناخواندگی، افلاس، جہالت، بھوک، بے روزگاری، بہتر طبی سہولیات کا فقدان، بدامنی، سفارش اور رشوت جیسے بے شمار ناسور ہیں، جو ہمارے وطن کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے عوام کے اندر غصہ، حسد اور جلن جیسی بیماریاں جنم لے رہی ہیں۔

سب سے پہلے ہم ان تین بنیادی ضروریات پر روشنی ڈالتے ہیں جو کسی بھی فرد کے لئے لازم ہیں۔ وہ ہے روٹی، کپڑا اور مکان۔ دیکھنے میں تو یہ عام سی ضرورت ہے۔ مگر ہم غربت کی جس نچلی سطح پر زندگی گزار رہے ہیں وہاں گھر کے سربراہ کے لیے اپنے خاندان کو دو وقت کی روٹی کھلانا مشکل ہوگئی ہے۔ بڑھتی ہوئی غربت، افلاس اور بھوک سے پیدا ہونے والی محرومی اس مخصوص طبقے میں نفرت کے بیج بونے کے کام آرہی ہے۔ نہ ان کے پاس تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا ہے، اور نہ سر چھپانے کو آسرا۔

دوسری اہم چیز جو کسی ملک کی ترقی کے لئے ایک بنیاد کا کام کرتی ہے، وہ ہے تعلیم۔ کسی ملک کی ترقی کا راز اس کے آنے والے نوجوانوں کی کارکردگی پہ ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں تعلیم بھی کئی اقسام کی رائج ہے۔ مہنگے سکولوں اور یونیورسٹیوں میں یورپین ممالک کا طرز تعلیم رائج ہے اور دوسری طرف ٹاٹ والے اسکول، جہاں استاد ہی میسر نہیں۔ نوجوانوں میں سے جو آگے پڑھنا چاہتے ہیں، تعلیمی اخراجات برداشت کرنا ان کے لیے ناممکن ہے۔ نظام تعلیم پاکستان میں کوئی اہم اور مثبت کردار ادا کرنے میں ناکام ہے۔ موجودہ حکمران، طلبہ کو اپنے سیاسی مقاصد میں استعمال کرتے ہیں اور انتہا پسندی کو فروغ دیتے ہیں۔ اگر کوئی نوجوان قسمت سے اچھی ڈگری حاصل کر لے اور بات تلاش روزگار تک پہنچ جائے تو رشوت اور سفارش جیسے ناسور اپنے بھیانک چہرے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ درمیانے اور نچلے طبقے کا نوجوان ہاتھوں میں ڈگریاں پکڑے ادھر سے ادھر اپنی نوکری کے حصول کے لیے جوتیاں چٹخاتے رہ جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی عمر اچھی تعلیم حاصل کرنے میں گزاری ہوتی ہے اور ان کے والدین کی سب قربانیاں اور تمام اٹھائے گئے مصائب، ان کی آنکھوں کے سامنے بے وقعت ہو رہے ہوتے ہیں۔ مایوسی، انتہا پسندی کی طرف لے جانے کے لیے سیڑھی کا کام کرتی ہے۔

بدقسمتی سے ہمارا کردار مذہبی اور مسلکی منافرت پھیلانے کا بھی ہے۔ اگر ہم باقی دنیا کا مقابلہ اپنے ملک سے کریں تو شرمندہ ہوں گے کہ دنیا میں ہر قوم اور ہر مذہب آباد ہے، اور تقریباً ہر جگہ ہر شخص اپنے مسلک کے شعار کی ادائیگی کے لیے آزاد ہے، اور یہ اس کا بنیادی حق بھی ہے۔ مگر ہمارے ہاں ذرا سی اختلاف کی بو سونگھتے ہی قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا جاتا ہے۔ جلاؤ گھیراؤ کا سلسلہ چل نکلتا ہے۔ انتہا پسند عناصر معصوم عوام کو اس آگ میں جھونکتے اور افراتفری پھیلانے میں بہت برا کردار نبھا رہے ہیں۔

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ مگر یہاں مذہبی اکثریتی طبقہ، اقلیتوں کے حقوق کو پیروں تلے روندتا ہے۔ ان کی عبادت گاہوں کے ساتھ انسانوں کو بھی زندہ جلایا جاتا ہے، ان کی املاک کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ جبکہ سورۃ البقرہ کی آیت 191 میں ہے۔

"فتنہ قتل سے بھی زیادہ شدید ہے۔"

انتہاپسندی کی ایک وجہ قانون کی عمل داری نہ ہونا ہے۔ قانون اس لیے بنائے جاتے ہیں تاکہ ہر کوئی ان پر عمل کرے اور ہر جگہ امن وآتشی ہو۔ مگر جہاں جاگیرداروں اور امراء کو قانون ہاتھ میں لینے کی آزادی ہو اور غریب عوام کو ذرا سی بات پر سرزنش کیا جائے، قانون کے رکھوالے قانون شکن عناصر کے ساتھ مل جائیں، انصاف کی فراہمی میں تاخیر ہو، وہاں یہ عوامل انتہاپسندی کو جنم دیتے ہیں۔ پاکستان میں انصاف کے حصول کے لیے ایک مقولہ مشہور ہے۔

"پاکستان میں انصاف کے حصول کے لیے نوح جتنی عمر، ایوب کا صبر اور قارون کا خزانہ درکار ہے۔" یہاں لوگ عدالتوں کے باہر سالہا سال ذلیل ہوتے رہتے ہیں اور انصاف کے لئے دربدر بھیک مانگتے رہتے ہیں۔ قانون سازی کا فقدان بھی ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کا بھی۔

انتہاپسندی صرف معاشرے کا ناسور ہی نہیں، بلکہ بہت چھوٹے پیمانے پہ دیکھا جائے تو ہمارے گھر بھی کئی بار انتہاپسندی کی زد میں ہوتے ہیں، انتہاپسندی بعض اوقات گھر کے ماحول سے بھی جنم لیتی ہے۔ محبت، خلوص، وفا اور احساس کا فقدان انتہاپسندی کو جنم دیتا ہے۔ دوسری طرف، بعض اوقات بہت قریبی رشتوں میں حد سے زیادہ محبت اور کسی رشتے پہ اپنا قبضہ سمجھنا بھی انتہاپسندی کو جنم دیتا ہے۔ جب ایک رشتہ دوسرے کو اپنا غلام اور اپنی جاگیر سمجھے، اس کو ذہنی آزادی نہ دے اور اس پہ تمام فرائض مسلط کر دے تو یہ محبت اور اپنایت، شخصی آزادی کو مسلسل تکلیف سے دوچار کر رہی ہوتی ہے۔ پھر یہ رشتہ شوہر اور بیوی کا ہو، ماں بیٹے، یا ساس بہو کا۔ الگ شناخت الگ شخصیت کا حق چھیننا بھی انتہاپسندی ہے۔ محبت میں بھی انتہاپسندی ایک روگ ہے۔

تدارک

انتہاپسندی ایک جنون ہے جس کا تدارک ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ تشخیص کے بعد کسی بھی پیچیدہ مرض کا علاج ہونا ضروری ہے۔ ہمارا مذہب اسلام ہے، اس کا مطلب ہی "سلامتی والا" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام جیسا حسین مذہب عطا فرمایا جس میں ہر ایک کے حقوق وفرائض اور حدود وقیود کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ ہمیں اسے سیکھنا ہوگا اور اس پر عمل کرنا ہوگا۔ قرآن پاک کو ترجمے سے پڑھنا ہوگا۔ جن کاموں کا خدا نے حکم دیا ہے ان کو بجالانا ہوگا اور جن کاموں سے منع کیا گیا ہے ان سے رکنا ہوگا۔ یہ شعور ہمیں پورے معاشرے کو دینا ہوگا۔ جلاؤ گھیراؤ کرنے کی بجائے مثبت مکالمے کو فروغ دیا جائے آپس میں گفتگو کرنے اور ایک دوسرے کے مسائل کو حل کرنے کی طرف توجہ دینی ہوگی۔ ایک دوسرے کو بہترین ناموں سے پکارنا اور ایک دوسرے کی عزت کرنا ہوگی، احترام کرنا ہوگا، صبر، حوصلہ اور ہمت سے کام لیتے ہوئے اپنے اندر کی منفی قوتوں کا جوانمردی سے مقابلہ کرنا ہوگا۔

یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کے اسوہ حسنہ کو سامنے رکھنا ہوگا کہ کس طرح انہوں نے اپنے دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک فرمایا کہ عرب جیسی جاہل قوم علم وفضل کے درجے پر فائز ہوئی۔ ان میں سے ہی خلفائے کرام، صحابہ کرام اور دین کی خدمت کرنے والی ہستیاں پیدا ہوئیں۔ ہمیں بھی اپنے عمل کو بہترین کرنا ہوگا، تعلیم کے معیار کو بہتر بناتے ہوئے ایسے اسباق شامل کرنا ہوں گے جن سے شخصیت کی مثبت تعمیر ہو سکے، انصاف کو اپنی ذات سے شروع کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اور وہ انصاف کرتے ہیں خواہ کوئی قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو"

اور پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے ایک بار فرمایا تھا کہ،

"اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"

اگر یہ حسین تعلیم ہمارے معاشرے کا حصہ بن جائے اور ہم سچے اور مخلص مسلمان اور اچھے انسان بن جائیں تو انتہاپسندی کا تدارک ممکن ہے۔

❁❁❁

غزل

کنیز بتول نجمہ

یہ دل بھی ساتھ دل کی ہر دعا بھی ساتھ ہے
اے سیدی میرے میری وفا بھی ساتھ ہے
تو چلا تو عرش سے ندا دی کردگار نے
کہ اطمینان رکھ میری رضا بھی ساتھ ہے
بلندیوں میں پرچم اسلام کا اڑنا
بتا رہا ہے خلد کی ھوا بھی ساتھ ہے
اگر جو اذن ہو عدو دین سے کہوں
کلیم وقت تو ہے اور عصا بھی ساتھ ہے
سلام تجھ پہ سایۂ فلکن ھے مرشدی
درود کی صدا ؤں کی صدا بھی ساتھ ہے
اسی لئے ہے آندھیوں میں نجمہ مطمئن
اگر جو ساتھ تو ہے تو خدا بھی ساتھ ہے

❁❁❁

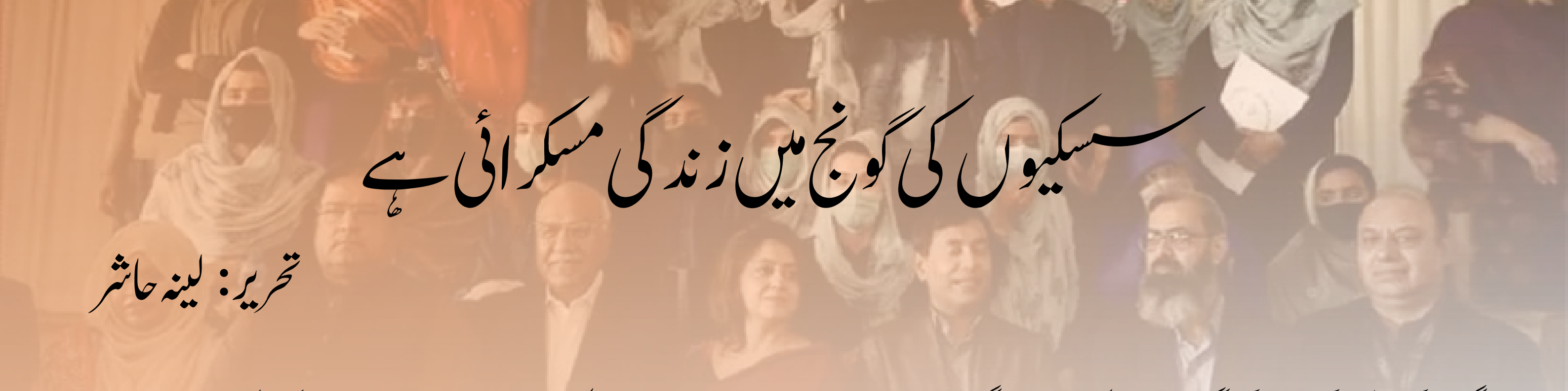

سسکیوں کی گونج میں زندگی مسکرائی ہے

تحریر: لینہ حاشر

زندگی کے کچھ لمحے، کچھ پل، کچھ گھڑیاں آپ کی ساری زندگی کا نچوڑ ہوتے ہیں۔ جب انسان اپنے آپ سے یہ سوال کرے کہ اس کا مقصد حیات کیا ہے؟ پھر اس کا جواب بھی مل جائے تو پھر اس سے زیادہ خوشی کا عالم اور کیا ہو گا؟ مجھے بھی اس بات کا جواب ملا۔

کبھی یہ ساعتیں آپ کی زندگی کا رخ بدل دیتی ہیں سوچیں ذرا آپ کے زندگی کچھ لمحات کسی کو زندگی دے جائیں تو آپ کو کیسا محسوس ہو گا۔

میں انور مسعود کی بیٹی ہوں اسی وجہ سے ان کی کچھ عادات ان سے ملتی ہیں۔ بس ابو کی نظر میں انسان اچھا ہونا چاہیے۔ کون کس عہدے پر ہے، بے شک دنیا اس کے آگے جھکتی ہو ابو کو کچھ خبر نہیں اور نہ فرق پڑتا ہے۔ یہ ہی عادت مجھ میں بھی آئی ہے۔ کون کیا کرتا ہے؟ کس مرتبے پر فائز ہے؟ مجھے کچھ خبر نہیں ہوتی یقین جانیے اگر مجھے کوئی بتائے بھی نجانے اس وقت دماغ کا سوئچ ایسا آف ہوتا ہے کہ مجھے کچھ یاد نہیں رہتا کہ کس کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ اگر وہ انسان اچھا ہے تو پھر وہ مجھے یاد رہے گا۔

کچھ برس قبل ایک لٹریری فیسٹیول میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ دور سے کرسیاں پھلانگتے ہوئے ہماری جانب آئے۔ بڑے ادب سے سلام کیا اور کچھ اپنے کام کے بارے میں مجھے بتایا۔ ہال میں بہت شور تھا اس لیے مجھے ان کی کچھ بات سمجھ آئی اور کچھ نہیں۔ مگر میں ہر بات پر ایسے سر دھنتی رہی جیسے سب سمجھ آ گئی ہے۔ مجھے جو سمجھ آیا وہ یہ تھا کہ وہ کوئی سرکاری ملازم ہیں۔ کیا کام کرتے ہیں کس عہدے پر ہے سب دماغ نے ڈیلیٹ کر دیا۔ یہاں تک کہ شور میں ان کا نام بھی درست سمجھ نہیں آیا۔ بس یہ بات سمجھ آئی کہ میرا لکھا خط "خواجہ سرا کا مرنے کے بعد اپنی ماں کو خط" کو پڑھنے کے بعد وہ اس کوشش میں لگ گئے ہیں کہ ان بچوں کے لیے بورڈنگ ہاؤس بنایا جائے۔ تاکہ ان کے سروں پر چھت ہو۔

بس یہ بات میرے دل کو لگی کہ ان بچوں کے لیے اب لوگ کچھ کرنے کا سوچ رہے ہیں۔ میں دل ہی دل میں بڑے خوش ہوئی۔ میں نے اپنے کچھ قریبی جاننے والوں کو بتایا تو انہوں نے نام اور ان کا عہدہ پوچھا جس کا جواب تھا وہ تو مجھے یاد نہیں۔ ظاہر ہے ان کا جواب آگے سے یہ تھا کہ کوئی ویسے ہی آپ کو الو بنا رہا ہے۔ میں بھی شرمندہ سی ہو گئی۔ پھر میں یہ سوچتی رہی کہ جو مجھے سمجھ آیا وہ واقعی سچ ہوا تو یہ میری خوش نصیبی ہو گی۔ جو میں لکھ کر کہنا چاہتی تھی، اس پر لوگ سوچ رہے ہیں۔

بچپن سے ابو کا کلام سنا۔ پورے کلام سے جو سبق سیکھا ہے وہ یہ کہ لکھتے ہوئے تین باتوں کا دھیان رکھو۔ نمبر ایک اگر آپ مزاح لکھ رہے ہو تو پڑھنے والے کے لبوں پر مسکان آئے۔ اور اگر آپ کسی کا دکھ بیان کر رہے ہو تو پڑھنے والے کی آنکھ نم ہو۔ لکھاری کے لیے سب سے مشکل کام یہ ہے کہ وہ اپنی تحریر سے لوگوں کی سوچ بدلے یا پڑھنے والیوں کو کم از کم سوچنے پر مجبور ضرور کرے۔ میں اپنے رب کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے کہ میری ایک چھوٹی سی تحریر نے لوگوں کی آنکھیں نم بھی کی اور ان کی سوچ بھی بدلی۔ ایسا ہرگز نہیں کہ میں اپنے آپ کو کوئی بہت بڑی لکھاری سمجھتی ہوں۔ نہ تو میری پاس بڑی بڑی ڈگریاں ہیں، نہ ہی کسی قابلیت کے دعوے، نہ بھاری بھرکم الفاظ سے دوسروں کو متاثر کرنے کا ہنر۔ بس جو چیز میرے پاس ہے وہ یہ کہ میں لوگوں کے دکھ کو محسوس کر کے الفاظ میں ڈھال دیتی ہوں۔ میرا اصول ہے کہ اگر کسی کا درد لکھ رہی ہوں تو اس کو اس وقت تک شائع ہونے نہیں دیتی جب تک اس کو پڑھتے ہوئے میری اپنی آنکھیں نم نہ ہو جائیں۔

میں چند سال قبل مکمل طور پر گھریلو خاتون تھی جس نے کبھی گھر اور گھر والوں کے طواف کے علاوہ کبھی کچھ سوچا ہی نہیں تھا۔ (ایسا ہرگز نہیں تھا کہ گھر والوں کی طرف سے کوئی پابندی تھی) پھر لکھنا شروع کیا میری خوش نصیبی کہ جو لکھتی ہوں اس کو لوگ محسوس بھی کرتے ہیں اور سمجھتے بھی ہیں۔ میرے لیے یہ بات باعث خوشی ہے کہ میری ایک چھوٹی سی تحریر تحریک کی شکل اختیار کرتی ہے۔ کچھ لوگ عملی طور پر خواجہ سرا کی بہتری کے لیے کچھ قدم اٹھاتے ہیں جس کا سہرا احتشام انور کے سر جاتا ہے۔ احتشام انور کون؟ وہ ہی جن کا نام تو میں بھول گئی تھی مگر کام یاد رہا۔ ان کی تلاش میں میں نے

فیس بک پر اسٹیٹس لگا کہ میرے فیس بک فرینڈ میں اگر وہ صاحب ہیں جو خواجہ سرا کے لیے بورڈنگ ہاؤس بنا چاہتے ہیں تو مجھ سے رابطہ کریں۔ کچھ ہی دیر میں ان کا پیغام موصول ہوتا ہے۔ جس میں انہوں نے اپنا نام احتشام انور بتایا۔ انہوں نے پھر اپنی بات کو دہرایا۔ دل پھر خوشی سے جھوما۔

وہ واحد شخص تھے جو حکومتی سطح پر جا کر ان کے لیے کچھ کرنا چاہتے تھے۔ پھر خیر چار سال بیت گئے۔ ایک روز موبائل کی گھنٹی بجتی ہے احتشام انور کا نام آویزاں ہوتا ہے۔ خوشی سے بھرپور آواز دوسری جانب سے سنائی دیتی ہے احتشام کی آواز۔ آواز میں تھوڑی سی کپکپاہٹ محسوس ہوتی جو کسی بہت بڑی خوشخبری کو بتانے سے پہلے کسی کے احساسات کو بیان کرتی ہے۔ کہنے لگے کہ "میں نے آپ کو ایک بہت بڑی خوشخبری دینی ہے" میں بولی جی فرمایئے۔ کہنے لگے "کہ جو بات آپ کو بتانے جا رہا ہوں اس بات کی خوشی میرے بعد آپ کو ہو گئی۔" میں بھی ہمہ تن گوش ہو گئی اور بڑی بے تابی سے پوچھا کہ ایسی کیا بات ہے؟

احتشام نے بتایا کہ وہ بورڈنگ ہاؤس تو نہیں بنوا سکے کیونکہ ان کا تبادلہ ہو گیا تھا۔ لیکن انہوں نے انہی بچوں کے لیے ملتان میں ایک سکول بنایا ہے۔ جس میں اب بہت سے بچے

زیر تعلیم ہیں۔ بس یہ سننے کی دیر تھی کہ میری آنکھوں سے آنسو بہتے چلے گئے ہم دونوں ایک دوسرے کو ایسے مبارک دے رہے تھے کہ جیسے بچے اپنی کسی کامیابی پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ میں بار بار ان کی ہمت داد دے رہی تھی کہ پچھتر برس بعد کسی کو ان کے لیے کچھ کرنے کا خیال آیا۔ ان کو وہ بنیادی ضرورت دی گئی جو کہ ہر بچے کا حق ہے۔ میں نے تو بس لکھا اس پر عملی قدم احتشام اور ان کی پوری ٹیم نے اٹھایا۔ ایسا نہیں کہ انہوں نے سوچا اور ادھر عملی قدم اٹھا لیا گیا۔ یہ کام جو ہم پر فرض تھا اس قرض کو ادا کرنے میں جگہ جگہ بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بہت سے کڑوی کسیلی باتیں سنا پڑی۔ بہت سے چبھتی نظریں راہ میں حائل ہوئیں۔ مگر جب آپ کسی کام کی ٹھان لیں تو پھر لوگ آپ سے ملتے چلے جاتے ہیں قدم سے قدم ملاتے ہیں۔

اس کے کچھ عرصے کے بعد مجھے انہی بچوں کے سکول میں مہمان کے طور پر دعوت دی گئی۔ مجھے کہیں جانا بہت ہی مشکل لگتا ہے مگر یہاں جانے پر میں فوراً تیار ہو گئی۔

میں اور میرا جگر گوشہ عرصام ملتان کے سفر کے لیے روانہ ہوئے۔ صبح ساڑھے دس بجے سکول پہنچے۔ بہت سے بچے مجھے آ کر مل رہے تھے۔ وہ مجھے یہ کہہ رہے تھے کہ میڈم آپ نے ہمارے لیے پہلا قدم اٹھایا تھا آپ نے لکھ کر لوگوں کی توجہ ہمارے مسائل کی طرف دلوائی۔ میں اس بات سے نادم تھی کہ میں نے کتنی دیر سے ان کے بارے میں سوچا۔ تقریب میں میزبانی کے فرائض ٹرانس جینڈر بچوں نے بہت خوبی سے سرانجام دیے۔ ملی نغمے اور ٹیبلو بھی پیش کیا گیا۔ اس تقریب میں علیشاہ نامی ٹرانس جینڈر نے میری تحریر کو پڑھا۔ کیا عجب اتفاق تھا کہ میں نے اپنی تحریر میں خواجہ سرا کا فرضی نام بھی علیشاہ ہی رکھا تھا۔ جوں جوں خط پڑھا گیا ہال میں سسکیوں کی آواز میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ شاید ہی ہال میں ایسا شخص ہو جس کی آنکھیں نم نہ ہوں۔ میں نے ابو کی امبرڑی سنتے ہال میں لوگوں کی سسکیاں سن رکھی تھیں۔ اس دن اس بات پر مہر لگ گئی کہ اولاد اپنے والدین سے بہت کچھ سیکھتی ہے۔

ابھی علیشاہ اسٹیج سے نیچے آئی تو مجھے دعوت دے دی گئی میرے میں کچھ کہنے کی ہمت نہیں تھی صرف سسکیاں تھیں! بس جو کہا اس کا لب لباب یہ تھا کہ مجھ سے لکھنے میں بہت دیر ہو گئی۔ اب ان لوگوں کا ذکر جو اس کام کو آگے پڑھانے کا عظم رکھتے ہیں۔ یہاں ساری معلومات ہم نے احتشام صاحب سے درخواست کر کے وائس میسج پر منگوائی تا کہ مجھے یاد رہے ورنہ کچھ چیزیں دماغ سے ڈیلیٹ ہو جانا مجھے اپنے لیے بہت فطری سا لگتا ہے۔ احتشام صاحب ڈپٹی کمشنر بہاول پور سے لے کر سیکرٹری ایجوکیشن جنوبی پنجاب بننے تک اپنے ارادے پر ڈٹے رہے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ سوچ فرد واحد کی تھی مگر عملی شکل دینے کے لیے پوری ٹیم کی بھرپور کاوش ہے۔ جو تعریف اور تحسین کے قابل ہے۔

اور جو لوگ اچھے کام کر رہے ہیں ان کا آپ کو بھی علم ہونا چاہیے۔ بہتری کی جو شمع روشن ہوئی ہے اس میں لوگ کتنا بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہیں ہیں۔ اس تقریب میں ڈی جی نادرا ملتان میجر ریٹائر عمران علی خان کو بھی دعوت دی گئی تھی، ان کی ایک بات سن کر دل پھر بھر آیا جب انہوں نے کہا کہ ”آج کی اس تقریب کے بعد میں ان پر کبھی بھی ہنسوں گا نہیں، ان بچوں کے لیے جو ممکن ہو سکا وہ کریں گے۔ نادرا میں ان کو مزید نوکریاں دیں گے“۔ ثاقب صاحب اخوت فاونڈیشن کے صدر اگلے سال دس دسمبر میں ان کے لیے کالج کا افتتاح کریں گے جہاں پر ان کو رہائش بھی دی جائے گی تا کہ روٹی کے لیے ان سے لوگ غلط کام نہ کروائیں۔

دیکھئے بس ایک قدم اٹھانے کی دیر تھی کہ پنجاب کے سکول ایجوکیشن منسٹر مراد راس صاحب نے اسی تحریک کو مزید آگے بڑھانے کا بیڑا اٹھا لیا ہے ان کی سرپرستی میں اگلا سکول بہت جلد لاہور میں کھل رہا ہے۔ ہماری دوست ڈاکٹر زری اشرف ذاتی طور پر دسمبر کی چھٹیوں کے بعد ملتان میں ان کے لیے فری میڈیکل کیمپ لگائیں گی اور اپنے ہسپتال رحمت رحمن ہسپتال گل گشت ملتان خواجہ سراؤں کے لیے (شام پانچ سے سات) فری ڈسپنسری مہیا کریں گی۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ انہیں میڈیکل سہولیات کی بھی کمی کا سامنا ہے۔ اگر ہر سرکاری ہسپتال میں ان کے لیے دس بارہ بیڈ کا وارڈ بنا دیا جائے تو علیشاہ کی طرح زنانہ مردانہ وارڈ میں انہیں دھکے نہیں دیے جائیں گے۔ ان کی جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ ان کی ذہنی صحت کا خیال بھی رکھنا ہو گا۔ کچھ ماہرین نفسیات بھی ان کے لیے خوش دلی سے کرنے کو تیار ہیں۔

یقین جانیے جب سے میں واپس لوٹی ہوں خوشی کا وہ عالم ہے بیان سے باہر ہے۔ میں نے اس ہال میں سسکیوں کی گونج میں زندگی مسکراتے دیکھی ہے۔ ٹرانس جینڈر کی زندگی بہت تکلیف دہ ہوتی ہے جیسے جلتے انگاروں پر ننگے پاؤں چلنا ہو۔ ہم انہیں تمام عمر قید با مشقت وازیت دیتے ہیں۔ گھر سے بے گھر ہونے کے عذاب دے کر ہم گہری نیند سو جاتے ہیں۔ ہم انہیں نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو خوشیاں بانٹتے پھرتے ہیں۔ ہم انہیں نچا نچا کر خوشی محسوس کرتے ہیں جن کی زندگی ناچتی ناچتی دم توڑ دیتی ہے۔ ہم انہیں اس مقام پر لا کھڑا کرتے ہیں جہاں وہ اپنوں کے پیار کو ترستے ہیں۔ ہم گناہ کبیرہ ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ ہم انہیں اپنوں سے جدا کرتے ہیں جو آپ کے غیر ہوتے ہوئے بھی آپ کے گھر آپ کی اولاد کی خوشیاں منانے دوڑے چلے آتے ہیں۔ ہم انہیں ستاتے ہیں جو زمانے بھر کے ستائے ہوئے ہوتے ہیں۔ گزرے وقت کو واپس نہیں لایا جا سکتا۔ بس آپ سے اتنی منت ہے کہ ابھی سے ان لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کیجیے جو زمانے کے ستائے ہوئے ہیں۔ یہ کام اپنے گھر سے کیجئے

میرے گھر ایک لڑکا کام کرتا ہے میں نے اس سے پوچھا کیا تمہارے گاؤں میں خواجہ سرا ہیں؟ کیا لوگ ان کا مذاق اڑاتے ہیں؟ تو اس کا جواب تھا ”باجی ظاہری سی بات ہے“ بس یہ وہ جواب ہے جس کی وجہ سے میں ان لوگوں کے لیے لکھتی ہوں۔

ہم کیسے اپنے رب کی بنائی ہوئی مخلوق پر کوئی کمی کوئی خامی یا کوئی عیب تلاش کر سکتے۔ جب آپ کا اور میرا یقین اپنے رب پر ہے تو پھر کیوں اس کی بنائی ہوئی مخلوق پر زندگی تنگ کرتے ہیں؟ کیوں ان کی زندگی سے ہر خوشی چھین لیتے ہیں؟ اور کچھ نہ سہی اتنا تو ہم کر ہی سکتے ہیں کہ ان کو انسان ہونے کے حق دلائیں۔ اپنے گھروں سے ہی اس کا آغاز کیجئے۔ ورنہ روز قیامت ہمارا گریبان ہو گا اور ان کا ہاتھ۔

❁❁❁

راس آیا مجھے اشکوں کو وسیلہ کرنا

تحریر: جویریہ اسلم

جب بابا سعودیہ شفٹ ہوئے تھے تو میں لگ بھگ ڈیڑھ سال کی تھی یعنی ان بچوں میں جو عمرے کے دوران اپنے بابا کے کندھے پر یا پھر اپنی اماں کی آغوش میں ہوتے ہیں۔ بابا اپنی پدرانہ شفقت میں اب بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں اللہ نے بلایا ہی انہی یعنی بچوں کے طفیل ہے۔ مگر جب میں چھوٹی تھی تو سارا کریڈٹ مجھے دیتے تھے۔ خیر یہ سب بتانے کا مقصد یہ ہے کہ میرا شمار بھی ان خوش نصیبوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے ننھے ننھے قدموں سے اللہ کے گھر کا بارہا طواف کا شرف حاصل کیا۔ میں نے وہاں بابا، مما بلکہ کئی لوگوں کو روتے دیکھا، مما جب مجھے دیکھتیں تو آنسو پونچھ کر تھوڑا سنبھل جاتی مگر آنکھوں کی سرخی اور چہرے کی اداسی بہرحال موجود رہا کرتی تھی۔ میں جب تھوڑی بڑی ہوئی تو سوال کیا کرتی تھی کہ مما لوگ یہاں آکر روتے کیوں ہیں؟ ان کو تو خوش ہونا چاہیے کہ برسوں سے حاضری کی جو دعا وہ مانگا کرتے تھے وہ قبول ہوگئی تو وہ جواب دیتیں کہ ہم یہاں رو کر اپنے رب کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں تو میرے ذہن میں اگلا سوال یہ آتا کہ نہ جانے مما نے کونسے گناہ کئے ہیں کہ معاف ہی نہیں ہو رہے کہ ہر بار آکر روئے چلے جاتی ہیں، مگر ظاہر ہے کہ یہ سوال میں ان سے کبھی پوچھ نہیں پائی اور یہ سوال ان سوالوں میں سے تھا جس کا جواب تھوڑا بڑے ہو کر ہمیں خود بخود ہی مل جاتا ہے۔

میں نے اپنی بہن کی پینسل اس سے پوچھے بغیر لے لی، وہ غصے میں آکر مجھ سے وہ پینسل چھیننے لگی تو میں نے اسے ایک تھپڑ لگادیا، وہ روتے روتے مما کے پاس چلی گئی اور میری شکایت لگانے لگی۔ ہم جب مکہ جانے کیلئے تیار ہو رہے ہوتے ہیں تو مما ہمیں آہستہ آہستہ سمجھانے لگتی ہیں کہ اپنے اپنے رانگ ڈیڈز wrong deeds کی فہرست بنالو تاکہ ان کی معافی مانگ کر اپنے اعمال نامے کو پھر سے بہتر کرسکو اور حضرت فاطمہ ؓ کے جنتی محل کے حقدار بن سکو، میں نے اپنی لسٹ میں اپنی بہن کی پینسل والا معاملہ رکھا اور مما سے ذکر کیا تو وہ کہنے لگی کہ یہ مسئلہ شاید حرم شریف میں حل نہ ہو پائے کہ وہاں حقوق اللہ کی بابت معاملات نمٹائے جاتے ہیں، حقوق العباد تو وہاں جانے سے پہلے پورے کرنے ہوتے ہیں۔

مجھے یہ بات تھوڑی مشکل لگی کہ بھئی یہ کیا بات ہوئی کہ اب میں اپنی چھوٹی بہن سے معافی بھی مانگوں اور اس کو ویسی ہی نئی پینسل بھی لے کر دوں، اس طرح تو میری ناک کٹ جائے گی۔ حرم شریف میں جا کر اللہ پاک سے معافی مانگنا تو بہت آسان ہے، نہ وہ مجھے نظر آتے ہیں اور نہ جو بات میں ان سے کروں وہ کسی اور کو پتہ چلتی ہے۔ معاملہ کافی گھمبیر تھا میرے لیے، میں نے سوچا کہ مما سے ہی بات کرتی ہوں۔ میں نے اعتراف کرلیا کہ مما یہ میری انا کا مسئلہ ہے تو آسان نہیں ہے چھوٹی بہن سے معافی مانگنا، ہاں البتہ میں اپنی نئی پینسل اسے دے دوں گی۔ مما کچھ دیر سوچنے کے بعد بولیں:

آپ ﷺ کے وصال کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے گروہ مسلمین! میں تمہیں اللہ کی قسم اور تم پر اپنے حق کا واسطہ دے کر کہتا ہوں: میری طرف سے کسی پر کوئی ظلم ہوگیا ہو تو کھڑا ہو جائے اور قیامت میں بدلہ لینے کے بجائے مجھ سے یہیں بدلہ لے لے۔ ایک بھی کھڑا نہ ہوا، آپ ﷺ نے دوبارہ یہی قسم دی پھر بھی کوئی کھڑا نہ ہوا تو تیسری بار قسم دیتے ہوئے اس بات کو دہرایا کہ میری طرف سے کسی پر کوئی ظلم ہوگیا ہو تو کھڑا ہو جائے اور قیامت میں بدلہ لینے کے بجائے مجھ سے یہیں بدلہ لے لے۔ چنانچہ عکاشہ نامی ایک ضعیف العمر صحابی کھڑے ہوئے اور لوگوں کو ہٹاتے ہوئے آقا کریم علیہ السلام کے سامنے جا پہنچے اور عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان! اگر آپ نے بار بار قسم نہ دی ہوتی تو میری مجال ہی نہیں تھی کہ میں کسی چیز کے بدلے کے لئے آپ کے سامنے آتا۔ میں آپ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھا اس میں اللہ کریم نے اپنے نبی ﷺ کی مدد کی اور ہمیں فتح عطا فرمائی۔ جب ہم واپس آرہے تھے تو میری اونٹنی آپ کی اونٹنی کے برابر آگئی، میں اپنی اونٹنی سے اتر کر آپ کے قریب ہوا تاکہ آپ کے قدم مبارک پر بوسہ دوں، مگر آپ نے چھڑی بلند کی اور میرے پہلو پر ماری، میں نہیں جانتا کہ آپ نے ایسا جان بوجھ کر کیا یا آپ کا ارادہ اونٹنی کو مارنے کا تھا؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں اللہ پاک کے جلال سے پناہ میں لیتا ہوں کہ اللہ کا رسول تمہیں جان بوجھ کر مارے، پھر فرمایا: اے بلال! فاطمہ کے گھر جاؤ اور وہی پتلی چھڑی لے آؤ۔ چنانچہ حضرت سیدنا بلال ؓ اپنے ہاتھ سر پر رکھے مسجد سے نکلے اور یہ کہتے جاتے: یہ اللہ کے رسول ہیں جو خود اپنا قصاص دے رہے ہیں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا: اے رسول اللہ کی صاحبزادی! مجھے وہ پتلی چھڑی دے دیجئے۔ شہزادی کونین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: بلال! نہ ہی آج یوم عرفہ ہے اور نہ ہی کوئی غزوہ! پھر میرے بابا جان چھڑی کا کیا کریں گے؟ عرض کی: کیا آپ کو معلوم نہیں آج آپ کے بابا جان کیا کر رہے ہیں! بے شک حضور نبی رحمت ﷺ نے دین پہنچا دیا ہے، دنیا کو چھوڑ رہے ہیں اور آج اپنی طرف سے بدلہ دے رہے ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بے قرار ہو کر فرمایا: اے بلال! آخر ایسا کون ہے جس نے رسول اللہ ﷺ سے بدلہ لینا گوارا کرلیا؟ اے بلال! اگر یہ بات ہے تو حسن اور حسین کو کہو اس شخص کے سامنے کھڑے ہو جائیں اور وہ ان سے بدلہ لے لے۔

حضرت بلال مسجد پہنچے اور وہ چھڑی حضور اکرم ﷺ کو پیش کردی، آپ ﷺ نے بلال سے لے کر عکاشہ کے حوالے کردی، یہ دیکھ کر حضرت سیدنا ابوبکر و عمر ؓ آگے بڑھے اور کہا: اے عکاشہ! لو ہم تمہارے سامنے ہیں جو بدلہ لینا ہے ہم سے لے لو مگر پیارے آقا سے بدلہ نہ لو۔ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابوبکر! ہٹ جاؤ، اے عمر! تم بھی ہٹ جاؤ یقیناً اللہ پاک تم دونوں کے مقام و مرتبے کو خوب جانتا ہے۔ اتنے میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اے عکاشہ! میرے سامنے میری زندگی میں تم کریم آقا ﷺ کو یہ چھڑی مارو مجھے یہ ہرگز برداشت نہیں، یہ رہی میری پیٹھ اور یہ رہا میرا پیٹ اپنے ہاتھ سے مجھے سو کوڑے مار لو اور مجھ سے انتقام لے لو لیکن پیارے آقا ﷺ سے بدلہ نہ لینا، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اے علی! اپنی جگہ بیٹھ جاؤ بے شک اللہ کریم تمہارے مرتبے اور نیت کو خوب جانتا ہے۔

اتنے میں نوجوانان جنت کے سردار، فاطمہ زہرا کے گلشن کے پھول حضرت سیدناامام حسن و امام حسینؓ کھڑے ہوئے اور کہا: عکاشہ! کیا آپ نہیں جانتے ہم رسول اللہ ﷺ کے نواسے ہیں اور ہم سے بدلہ لینا گویا آپ ﷺ سے بدلہ لینا ہے لہٰذا آپ ہم سے بدلہ لے لیں۔ پیارے آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! بیٹھ جاؤ بے شک اللہ پاک تمہارے مقام کو خوب جانتا ہے۔ پھر عکاشہ سے فرمایا: اے عکاشہ! اگر تم چھڑی مارنا چاہتے ہو تو مارو۔ حضرت عکاشہؓ نے عرض کی: جس وقت آپ نے مجھے مارا تھا اس وقت میرے پیٹ پر کپڑا نہیں تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے مبارک پیٹ سے کپڑا ہٹا دیا، یہ دیکھ کر مسلمانوں کی چیخیں نکل گئیں اور کہنے لگے: عکاشہ کو دیکھتے ہو یہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک پیٹ پر چھڑی مارے گا؟ جب حضرت عکاشہ نے مبارک پیٹ کی سفیدی کو دیکھا تو فوراً حضور انور ﷺ سے چمٹ گئے اور پیٹ مبارک کا بوسہ لیتے ہوئے عرض گزار ہوئے: میرے ماں باپ آپ پر قربان! بھلا کون ہے جو آپ سے بدلہ لینے کا سوچ سکے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: چاہو تو بدلہ لے لو، چاہو تو معاف کر دو حضرت سیدنا عکاشہؓ نے عرض کی: میں نے آپ کو معاف کیا یہ امید کرتے ہوئے کہ اللہ کریم بروز قیامت مجھے معاف فرمائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص میرے جنت کے رفیق کو دیکھنا چاہے وہ اس بوڑھے کو دیکھ لے۔ لوگ کھڑے ہوئے اور حضرت سیدنا عکاشہؓ کی پیشانی چوم کر یہ کہتے جاتے: تمہیں مبارک ہو! تمہیں مبارک ہو! تم تو بلند درجات اور حضور نبی اکرم ﷺ کی ہم نشینی کے شرف کو پہنچ گئے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج4، ص67)

مما نے جب یہ واقعہ سنایا تو میں اپنی بہن سے معافی مانگنے اور وہ مجھے تھپڑ مار کر بدلہ لینے کی بجائے مجھے معاف کرنے کیلئے راضی ہوگئی، ہاں مگر میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ لوگ حرم شریف میں جا کر کیوں روتے ہیں کہ جب ہم سے کچھ غلط ہو جاتا ہے، پھر ہم اس کی تلافی بھی کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس شخص سے معافی بھی مانگ لیتے ہیں، تو اس سب میں وہ تکلیف جو ہم نے کسی کو پہنچائی ہوتی ہے وہ ہوا میں کہیں معلق کھڑی ہوتی ہے، بس اسی کو تحلیل کرنے کیلئے ہم حرم شریف میں رب کے حضور اشکبار ہوتے ہیں کہ اس کے دربار میں پریشان اور اشکبار چہرے مقبولیت کی منازل اپنی اپنی نیت کے مطابق طے کرتے چلے جاتے ہیں۔

❁❁❁

ہمارا بھی ایک زمانہ تھا!

پانچویں جماعت تک ھم سلیٹ پر جو بھی لکھتے تھے اسے زبان سے چاٹ کر صاف کرتے، یوں کیلشیم کی کمی کبھی ہوئی ہی نہیں۔ پاس یا فیل۔ صرف یہی معلوم تھا، کیونکہ فیصد سے ہم لاتعلق تھے۔ ٹیوشن شرمناک بات تھی، نالائق بچے استاد کی کارکردگی پر سوالیہ نشان سمجھے جاتے۔ کتابوں میں مور کا پنکھ رکھنے سے ھم ذہین، ہوشیار ہو جائینگے، یہ ہمارا اعتقاد بھروسہ تھا۔ بیگ میں کتابیں سلیقہ سے رکھنا سگھڑ پن اور باصلاحیت ہونے کا ثبوت تھا۔ ہر سال نئی جماعت کی کتابوں اور کاپیوں پر کورز چڑھانا ایک سالانہ سرگرمی ہوا کرتی تھی۔ والدین ہمارے تعلیم کے تیئں زیادہ فکرمند نہ ہوا کرتے تھے اور نہ ہی ہماری تعلیم ان پر کوئی بوجھ تھی، سالہا سال ہمارے والدین ہمارے اسکول کی طرف رخ بھی نہیں کیا کرتے تھے، کیونکہ ہم میں ذہانت جو تھی۔

اسکول میں مار کھاتے ہوئے یا مرغا بنے ہوئے ہمارے درمیاں ل کبھی انا (ego) بیچ میں آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوا۔ انا کیا ہوتی ہے یہی معلوم نہ تھا۔ مار کھانا ہمارے روزمرہ زندگی کی عام سی بات تھی، مارنے والا اور مار کھانے والا دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی شکایت نہ ہوا کرتی تھی۔ ھم اپنے والدین سے کبھی نہ کہہ سکے کہ ہمیں ان سے کتنی محبت ہے۔ نہ باپ ھمیں کہتا تھا۔ کیونکہ I love you کہنا تب رائج نہ تھا اور ہمیں معلوم بھی نہ تھا، کیونکہ تب محبتیں زبان سے ادا نہیں کی جاتی تھیں بلکہ محسوس ہوا کرتی تھیں، رشتوں میں بھی کوئی لگی بندھی نہیں ہوا کرتی تھی، بلکہ وہ خلوص اور محبت سے سرشار ہوا کرتے تھے۔ سچائی یہی ھے کہ ھم یا ہماری عمر کے قریب سبھی افراد اپنی قسمت پر ہمیشہ راضی ہی رہے، ہمارا زمانہ خوش بختی کی علامت تھا، اس کا موازنہ آج کی زندگی سے کر ہی نہیں سکتے! ❁❁❁

اقلیتوں کیلئے کشادگی کی ضرورت

تحریر: ڈاکٹر صغریٰ صدف

جب بھی اقلیتوں کے حقوق، ان پر روا رکھے جانے والے جبر، امتیازی اور غیر انسانی سلوک کی بات کی جاتی ہے تو مسجدِ نبوی اور رسول اللہؐ کے اسوہ کی مثال دے کر اسلام کو اقلیتوں کے حقوق کا علمبردار قرار دے کر خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے، مطلب مذہب تو اقلیتوں کو مساوی حقوق دیتا ہے باقی ظلم و جبر انفرادی مسائل ہیں جو ہوتے رہتے ہیں۔ یہ وہ ظالمانہ رویہ ہے جو اقلیتوں پر خوف کے ہالے کی طرح مسلط ہے۔

پاکستان کی حالیہ مردم شماری کے مطابق، ملک میں اس وقت 1.9 فیصد مسیحی، 1.6 فیصد ہندو، 0.22 فیصد احمدی، 96.28 فیصد مسلمان اور 0.25 فیصد شیڈولڈ کاسٹ کے لوگ بستے ہیں۔ یہ اعداد و شمار اس بات کے گواہ ہیں کہ پاکستان مذہبی حوالے سے ایک خوبصورت گلدستے کی مانند ہے۔ ذکر اور فکر کا تنوع اسے کشادگی بخشتا ہے۔ مذاہب سے جڑے رنگا رنگ تہوار یہاں کی ثقافت کو منفرد اور ممتاز بناتے ہیں ضرورت اس بات کی تھی کہ تنوع کو طاقت ور بنایا جاتا اور معاشرے میں امن اور بھائی چارے کو فروغ دیا جاتا مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ہم نے تنوع کو ختم کرنے کی پالیسی اپنا رکھی ہے۔

وہ صوبائی اکائیوں کے کلچر کی بات ہو یا مذہبی رسومات کی، ہر جگہ اور ہر سطح پر ہمارا رویہ نفرت نہیں تو تعصب پر ضرور قائم ہے۔ معاشرتی سطح پر شاید ابھی ہم یہ تک قبول کرنے کو تیار نہیں کہ کسی اور مذہب کا پیروکار ہمیں پاکستان میں نظر آئے۔ ہمارے بچپن میں زمانہ مختلف تھا۔ ہمارے ابا زندگی کے آخری ایام تک اپنے سکھ اور ہندو دوستوں کو یاد کرتے رہے اور ان کی باتیں ہمیں سناتے رہے۔ ان باتوں میں اسکول کے زمانے کی شرارتیں اور محبتیں شامل تھیں۔ پاکستان کے بعد اقلیتوں کی تعداد میں جس قدر کمی آئی ہے اس سے ہمارا رویہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ پاکستان میں اقلیتوں کے حوالے سے ہر فرد خود کو ٹھیکیدار اور حاکم تصور کرتا ہے اسلئے غلام بن کر نہ رہنے اور جنسی خواہش پوری نہ کرنے پر ان کی موت کا بندوبست کرنے کیلئے ایک اعلان کی ضرورت ہوتی ہے پھر کسی بھی اسلامی ضابطے پر عمل نہ کرنے والا اس نیک کام میں شریک ہونا باعثِ فخر سمجھتا ہے۔ ہم میں کچھ لوگ اتنے جابر ہیں کہ حاملہ خاتون کو خاوند سمیت آگ کے شعلوں میں پھینک دیتے ہیں اور سامنے کھڑے تماشہ دیکھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک کسی کو (زبردستی) مسلمان کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔ اس رویے کے باوجود ہم خواہشمند ہیں کہ ہماری اقلیتیں خاموش رہیں، نہ ملک کے اندر انصاف کا در کھٹکھٹائیں اور عالمی برادری کو بھی سب اچھا کے پیغامات بھیجیں۔

پاکستان کا آئین جسے ہم نے مقدس کتاب کی طرح چوم کر رکھا ہوا ہے، میں اقلیتوں کے یکساں حقوق کا تذکرہ سنہری حروف میں لکھا ہوا ہے جس کے تحت ریاست ہر شہری کو کسی تقسیم کے بغیر تعلیم، صحت، ملازمت، شخصی و مذہبی آزادی کے تحفظ کی ذمہ دار ہے۔ ریاست قوانین تو بنا لیتی ہے لیکن لاگو کرتے وقت عقیدے کے نام پر سیاست کرنے والوں کے سامنے سرنڈر کر دیتی ہے۔ پاکستان بین الاقوامی سطح پر اقلیتوں کے حقوق اور تحفظ کے معاہدوں پر دستخط کرنے کے باوجود پاکستان میں بسنے والی تمام اقلیتوں کے یکساں حقوق، مذہبی و شخصی آزادیاں اور تحفظ کو ممکن نہیں بنا سکا تاہم ایک اچھی کاوش یہ ہے کہ اقلیتوں کے لئے تمام صوبوں میں نوکری کا پانچ فیصد کوٹہ مختص کیا گیا ہے اور اس میں بھی اچھی بات یہ ہے کہ اگر کسی سال اس کوٹے کے تحت تمام نشستیں پُر نہ کی جا سکیں تو ان کو اگلے سال میں شفٹ کر دیا جاتا ہے۔ لوکل گورنمنٹ ترمیمی ایکٹ 2020ء کے تحت بھی اقلیتوں کے لئے سیٹ رکھی گئی ہے جو خوش آئند عمل ہے۔

تعلیم کے ذریعے ہی پیچھے رہ جانے والی اقلیتوں کو مساوی حقوق کا شعور اور ترقی کا موقع دیا جا سکتا ہے۔ 18 مئی 2020ء میں حکومتِ پاکستان نے مائنورٹی ایمپاورمنٹ پیکیج کے تحت اقلیتوں کے لیے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں 2 فیصد کوٹہ مختص کیا جس کا اطلاق تمام سرکاری یونیورسٹیوں پہ ہوتا ہے ضروری ہے کہ پرائیویٹ یونیورسٹیوں اور میڈیکل کالجوں کو بھی اس کا پابند بنایا جائے۔ پنجاب میں اقلیتوں کے لئے تعلیمی وظیفے، اقلیتی مستحق طالبعلموں کی معاونت، ضلعی سطح پر انسانی حقوق کی کمیٹیاں اور اقلیتوں کی ترقی کے پیکیج کے علاوہ پنجاب انٹر فیتھ پالیسی 2020ء اور پنجاب سکھ آنند کرج میرج ایکٹ 2018ء حوصلہ افزا پیش رفت ہے۔ اصل مسئلہ لوگوں تک ان اقدامات کی آگاہی پہنچانا ہے۔ ریاست یقیناً اپنا کام کر رہی ہے لیکن معاشرے کو ڈنڈے سے نہیں سدھارا جا سکتا۔ مکالمے اور انفرادی عمل سے بہتری لانے کی کوشش کی ضرورت ہے۔ میں مشکور ہوں اپنے رب کی اور محکمہ اطلاعات و ثقافت کی، جن کی معاونت سے میں نے کئی سینیٹری ورکرز کو گریڈ گیارہ میں ترقی دے کر کلرک بنایا اور دو مسلمان سینیٹری ورکرز کو بھرتی کیا تا کہ کسی طرح کی تفریق اور تضحیک نہ روا رکھی جائے۔ آیئے ہم سب اپنے دلوں میں اتنی وسعت پیدا کریں کہ پوری خلقت کا احترام اس میں سما سکے۔ ❁❁❁

نظام تعلیم، تیرا اللہ حافظ

تحریر: شیریں حیدر

''فلاں فلاں کالج کے چوراسی طلباء وطالبات نے، ایف اے / ایف ایس سی کے امتحانات میں گیارہ سو میں سے گیارہ سو نمبر حاصل کیے ہیں! ''

کسی نے ایک گروپ میں خبر لکھی اور اگلا کمنٹ یہ تھا کہ یہ تو ایک شہر کے ایک کالج کی بات ہے، ہزاروں اداروں کے لاکھوں طلباء اور طالبات نے گیارہ سو میں سے ایک ہزار پچاس سے اوپر نمبر حاصل کیے ہیں۔ ایسی بات سن کر منہ حیرت سے کھل جاتا ہے کہ ہمارے ملک میں اتنے ذہین اور فطین لوگ موجود ہیں، دوسری طرف وہ بچے جنھیں چالیس فیصد سے کم نمبر ملے ہیں... اس کے بعد کا مرحلہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخلے کا ہے، جہاں ان بچوں کی کھپت کرنا ہی مشکل ہو جائے گا کہ جنھوں نے ساٹھ ستر فیصد سے زائد تک نمبر اسکور کیے ہیں۔ اس سے کم والوں کی کہاں شنوائی ہے!!

کورونا کے باعث پیدا شدہ صورت حال سے ساری دنیا کی طرح ہمارا نظام تعلیم بھی بے حد متاثر ہوا ہے۔ لگ بھگ دو سال سے تعلیمی ادارے زیادہ تر بند ہی رہے ہیں کیونکہ ہمارے ہاں ہر ادارے کے پاس آن لائن کلاسز کی سہولت ہونا ممکن نہیں ہے۔ گزشتہ برس سب بچوں کو بغیر امتحانات لیے اگلی کلاسوں میں ترقی دے دی گئی کہ کورونا کی صورت حال اس وقت بہت خراب تھی، جس کی وجہ سے امتحانات لینا ممکن نہ تھا۔

وزارت تعلیم کے فیصلے کے مطابق، اس سال، ایف اے کے طلباء اور طالبات کا تین اختیاری مضامین کا امتحان لیا گیا ہے اور میٹرک کا ریاضی کا اور اس کے ساتھ تین اختیاری مضامین کا امتحان لیا گیا ہے۔ اس کا مکمل فائدہ ان طلباء اور طالبات کو ہوا ہے جو کہ سائنس یا کمپیوٹر کے مضامین پڑھتے ہیں۔

ایف اے کے تین اور میٹرک کے چار مضامین کے پرچوں کی بنیاد پر نتائج تیار کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ جن مضامین کے ساتھ پریکٹیکل ہوتے ہیں، بائیولوجی، فزکس، کیمسٹری اور کمپیوٹر، ان کے پریکٹیکل لیے بغیر، بچوں کو اس کے پورے پورے نمبر دے دیے گئے ہیں۔ سائنسز کے طلباء اور طالبات کے لیے تو ان مضامین میں نوے فیصد سے لے کر سو فیصد تک نمبر حاصل کر لینا ممکن ہوتا ہے، اس کے برعکس آرٹس کے گروپ میں کوئی ایسا مضمون نہیں ہوتا کہ جن میں بچے پورے پورے نمبر حاصل کر سکیں۔

تین اور چار مضامین کا امتحان لے کر، ان مضامین میں بھی ان بچوں کو اتنے ہی نمبر دے دیے گئے ہیں، جن مضامین کے پرچے سرے سے لیے ہی نہیں گئے۔ کیسے ممکن ہے کہ ایک بچہ ریاضی اور فزکس میں پورے نمبر لے لے تو وہ اردو اور اسلامیات یا کسی اور لازمی مضمون میں پورے نمبر لے سکتا ہے۔ اسی بودے سے مارکنگ کے فیصلے کے باعث اس طرح کے نتائج سننے میں آرہے ہیں جو کہ ممکنات میں سے نہیں کہ بچوں نے گیارہ سو میں سے گیارہ سو مارکس حاصل کیے ہیں۔

بچے جو کہ عام حالات میں امتحانات کے لیے محنت کرتے ہیں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اگر انھیں کسی اختیاری مضمون میں مشکل ہو تو وہ لازمی مضامین میں محنت کر کے اچھے نمبر حاصل کر لیتے ہیں جس سے ان کے نتائج بہتر ہو جاتے۔ جن بچوں کے پاس سائنس کے مضامین ہیں، جیسے ریاضی، فزکس اور کمپیوٹر کہ جن میں پورے نمبر آنے کے امکانات ہوتے ہیں، انھیں فائدہ ہو گیا اور آرٹس کے مضامین والے بچے اس دوڑ میں پیچھے بلکہ بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔

جب آپ نے پرچے ہی تین اور چار لیے ہیں اور کل نمبر تین سو اور چار سو ہیں تو گیارہ سو میں سے نتائج بنانے کا کیا فائدہ؟ جن مضامین کو بچوں نے پس پشت ڈال دیا تھا، یہ جان کر کہ ان کا امتحان ہی نہیں ہونا، اس میں سے انھیں صد فی صد نمبر دے دینا، بندر بانٹ نہیں تو اور کیا ہے؟ ہمارے ہاں اس نوعیت کا فیصلہ کرنے سے پہلے، کیا دنیا بھر کے باقی ممالک کے تعلیمی نظام میں کورونا کے باعث ہونے والے فیصلوں یا تبدیلیوں کو مدنظر رکھا گیا ہے کہ نہیں؟ کہاں پر ایسی اندھیر نگری مچی ہے کہ یوں نمبروں کے انبار لگا دیے گئے ہیں؟ کس کو یہ دکھانا مقصود ہے؟ جن مضامین کا امتحان ہی نہیں ہوا ان میں نمبر دینا کہاں کا اصول ہے؟ کیا نتائج کم نمبروں کی بنیاد پر نہیں بنائے جا سکتے تھے؟

فطری سی بات ہے کہ ہر طالب علم کا رجحان پڑھائی میں، تمام مضامین میں یکساں نہیں ہو سکتا۔ سائنس کے مضامین میں اچھی کارکردگی دکھانے والے بچے، کئی لازمی مضامین میں کمزور استعداد رکھتے ہیں اور اسی طرح اختیاری اور سائنس کے مضامین میں کمزور بچے، لازمی مضامین میں بہتر استعداد کی بنیاد پر اپنی کجی کو ان مضامین میں بہتر کارکردگی دکھا کر، اعتدال میں کر لیتے ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ یہ ساری لاٹ جو اس وقت فطین بچوں کی تیار ہو گئی ہے، اس کا مستقبل کیا ہے؟

اسی نوعیت کی ایک اخباری خبر پڑھی کہ پی ایچ ڈی میں داخلے کے لیے 137 امیدواروں نے امتحان دیا اور ان میں سے کسی ایک نے بھی پاس نہیں کیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں نے ایم اے اور ایم فل کرلیا ہوتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

یہ ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہے، اتنے امیدوار اور ان میں سے ایک بھی اس قابلیت کا نہیں تھا کہ پی ایچ ڈی کے لیے داخلے کا امتحان پاس کرتا، اس سے پچھلی ڈگریاں بھی مشکوک ہوجاتی ہیں۔ اس سے قبل بھی ایف اے اور ایف ایس سی کے امتحانات میں بے شمار نمبر حاصل کرنیوالے بچے، پیشہ ورانہ اداروں میں داخلے کے لیے ہونیوالے ٹیسٹ میں ناکام ہوجاتے ہیں۔ ماضی میں کئی طرح کے سکینڈل مشہور ہوئے ہیں، جن میں امتحانی پرچہ جات کے لیک ہونے سے لے کر، زیادہ نمبر حاصل کرنے کے لیے رقوم تک دی جاتی رہی ہیں۔

ڈگری کا حصول اتنی کم رقم میں ممکن ہے کہ امتحانات دینے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ اس ملک میں گاڑیاں، جہاز اور تو اور ملک کو چلانے والے بھی جعلی ڈگریوں کے مالک پائے گئے ہیں۔ ذاتی مفادات کے لیے کوئی کس حد تک جاسکتا ہے، کوئی اخلاقیات ہی نہیں ہیں نہ کوئی ضابطہ، نہ قانون۔ اب ہم نے نظام تعلیم کو کھلواڑ بنا کر، لاکھوں ''ذہین اور فطین'' بچوں کا ایک ایسا گروہ تیار کر دیا ہے، جن کے لیے نہ آج پیشہ ورانہ تعلیمی اداروں میں کافی نشستیں ہوں گی نہ چند سال کے بعد ملک میں ملازمتیں ہوں گی۔ آج حکومت کئی معاملات میں، ماضی کی حکومتوں کے غلط فیصلوں اور پالیسیوں کے رونے روتی ہے کہ ان کے ہاتھوں اس ملک کا کباڑا ہوگیا ہے، خواہ وہ کوئی بھی حکومت تھی اور کوئی بھی منصوبہ... جس کا شاخسانہ اب ہمیں دیکھنا پڑ رہا ہے۔ نہ اس نوعیت کی وباء گزشتہ پچھتر برسوں میں اس ملک کے باسیوں نے دیکھی، نہ ہی اس طرح کے حالات ہوئے کہ تعلیمی نظام اس طرح متاثر ہوا کہ ایسے فیصلے کرنا پڑے۔ ہاں ہمارے بچپن میں بھی کبھی ایک بار ایسا ہوا کہ ملک بھر میں تمام بچوں کو بغیر امتحان کے اگلی جماعتوں میں ترقی دے دی گئی تھی لیکن اس سے وہ جماعتیں مستثنیٰ تھیں، جن کا بورڈ کے تحت امتحان ہوتا ہے۔ ان کے امتحانات بدیر ہوئے مگر ہوئے، کیونکہ اس معیار تک جانے کے لیے امتحانات کے مراحل سے گزرنا اہم ہے۔ لیکن اس حکومت نے اس بارے میں نہیں سوچا اور جانے کیا ذہن میں رکھ کر ایسا غیر دانشمندانہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ جس کا خمیازہ اس کے بعد آنیوالی ایک نہیں، کئی نسلیں بھگتیں گی۔

اس کے بعد آنیوالے وقتوں میں ملک میں بن جانیوالے ڈاکٹر، انجینئرز اور باقی پیشہ ور لوگ ایسے ہوں گے جن کی اہلیت مشکوک ہوگی اور اس کا نقصان، ہم آج نہیں دیکھ رہے مگر آنیوالا وقت ہمیں اس کے برے نتائج کا آئینہ جلد ہی دکھادے گا۔

کیا اب اس سلسلے میں کچھ کیا جاسکتا ہے؟ کیا ان نتائج کو منسوخ کرکے، دوبارہ نتائج تیار کیے جاسکتے ہیں؟ کیا تمام طلباء اور طالبات کو کسی اور یکساں امتحان سے گزارا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر انتظار کریں کہ آنے والا وقت، ہمارے لیے اپنے دامن میں کیا کیا نقصانات لے کر آرہا ہے۔

❁❁❁

سعودی عرب: اونٹوں کا پہلا لگژری ہوٹل کھل گیا

سعودی عرب میں اونٹوں کے لیے پہلا 'اوپن ائیر لگژری' ہوٹل کھل گیا جس نے سب کی توجہ اپنی جانب مرکوز کرلی۔

بین الاقوامی میڈیا رپورٹس کے مطابق سعودی عرب کے صحرا میں اونٹوں کے لیے پہلا 'اوپن ائیر لگژری' ہوٹل کھولا گیا ہے جس میں کورونا وائرس کی تمام احتیاطی تدابیر کا خصوصی طور پر خیال رکھا جارہا ہے۔

اونٹوں کے لیے تیار کیے گئے اس لگژری ہوٹل کا ایک رات کا کرایہ تقریباً 400 ریال یا 100 ڈالر سے زائد ہے، اس کرائے میں اونٹوں کی ٹرمنگ، اُن کی دُھلائی اور گرم گرم دودھ سے تواضع سب شامل ہیں۔

اس کے علاوہ موسم سرما میں ہوٹل میں اونٹوں کے لیے گرم انکلوژرز بنائے گئے ہیں۔

میڈیا رپورٹس میں بتایا جارہا ہے کہ یہ لگژری ہوٹل اُن اونٹوں کے لیے بنایا گیا ہے جو سعودی عرب کے شاہ عبدالعزیز فیسٹول میں حصہ لیتے ہیں جہاں اونٹوں کا مقابلہ حُسن ہوتا ہے۔

اس مقابلہ حُسن کی مجموعی انعامی رقم 66.6 ملین ڈالرز ہے۔

❁❁❁

افغان خواتین وہ پہنتی ہیں جس کا اللہ نے انہیں حکم دیا ہے

طالبان نے خواتین کے حصولِ تعلیم کے لیے برقعہ پہننے کو لازمی قرار دیا تھا جس کے بعد سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر اس فیصلے کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

افغانستان کا کنٹرول طالبان کے ہاتھوں میں جانے کے بعد سے جو موضوعات سب سے زیادہ زیرِ بحث ہیں ان میں سے ایک خواتین کے حقوق ہیں۔

کبھی خواتین کی تعلیم، کبھی معاشی آزادی تو کبھی اظہارِ رائے کا حق، سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر کئی لوگ اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے نظر آئے۔خواتین کے متعلق ایک اور موضوع جو زیرِ بحث رہا وہ خواتین کا لباس تھا۔

طالبان نے خواتین کے حصولِ تعلیم کے لیے برقعہ پہننے کو لازمی قرار دیا تھا جس کے بعد سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر اس فیصلے کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

افغانستان کی خواتین نے بھی ٹوئٹر کا سہارا لیتے ہوئے لباس کے انتخاب سے متعلق اپنی آواز دنیا بھر تک پہنچانے کے لیے ٹرینڈ #DontTouch-MyClothes چلایا۔جس میں انہوں نے روایتی لباس زیب تن کیے تصاویر شیئر کیں اور ساتھ تحریر کیا کہ لباس کا انتخاب ہمارا حق ہے اور کسی کو بھی اسے تبدیل نہیں کرنا چاہیے۔

کچھ خواتین کا یہ بھی کہنا تھا کہ 'رنگ برنگے لباس ہمارا کلچر ہے نہ کہ سیاہ برقعہ۔'

بہار جلال نامی ٹوئٹر صارف نے تحریر کیا: 'یہ میری نوجوانی کی تصویر ہے جس میں میں نے افغانستان کا روایتی لباس زیب تن کر رکھا ہے۔ جو لوگ ہمیں مٹانا چاہتے ہیں انہیں اپنی ثقافت کا نشان مٹانے نہیں دیں گے۔'

شفیع کریمی نے اپنی اہلیہ کے ساتھ تصویر شیئر کرتے ہوئے لکھا کہ 'میری اہلیہ نے روایتی افغان لباس پہن رکھا ہے۔ یہ افغان کلچر ہے اور افغان خواتین ایسا لباس زیب تن کرتی ہیں۔

ٹوئٹر صارف دیبا کا کہنا تھا کہ: 'بنیادی طور پر مسئلہ لباس کے انتخاب کے حق کا ہے جو کہ افغان خواتین سے طاقت کے زور پر چھینا جا رہا ہے اور سیاہ نقاب ان پر مسلط کیا جا رہا ہے۔'

انہوں نے اپنی تصاویر شیئر کرتے ہوئے لکھا 'یہ روایتی افغان لباس ہے، نقاب نہیں۔'

جہاں کئی ٹوئٹر صارفین اس ٹرینڈ کے حق میں بول رہے تھے وہیں کئی افراد اس کی مخالفت کرتے بھی دکھائی دیے۔

محسن اعوان نامی صارف نے تحریر کیا کہ 'یہ تمام خواتین ماڈلز اور اداکارائیں ہیں جو افغان خواتین کی ترجمان نہیں۔ یہ اپنا کام کر رہی ہیں نہ کہ افغان خواتین کے حقوق کی ترجمانی۔'

ٹوئٹر صارف ماہی نے برقعے میں ملبوس خواتین کی تصویر شیئر کرتے ہوئے لکھا: 'یہ افغان خواتین کا روایتی لباس ہے۔ افغان خواتین وہ پہنتی ہیں جس کا اللہ نے انہیں حکم دیا ہے۔' ادیب یوسفزئی نے میٹ گالا میں پہنے کم کارڈیشین کے لباس اور افغان طالبہ کے سیاہ برقعے کا موازنہ کرتے ہوئے تحریر کیا 'دو تصاویر، دو مختلف نظریات۔ دونوں تصاویر ایک سی ہیں مگر دونوں مختلف نظریات کی 'ترجمانی' کرتی ہیں۔

❁❁❁

واٹس ایپ نے صارفین کو خبردار کر دیا

پیغام رسانی کی سب سے مقبول اپلی کیشن واٹس ایپ نے صارفین کو جعلی خبروں سے متعلق خبردار کر دیا۔ واٹس ایپ کی ہر سرگرمی پر نظر رکھنے والی ویب سائٹ ویب بیٹا انفو کی ٹویٹ میں واٹس ایپ کی بلیو ٹک سے متعلق خبروں کو مسترد کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ واٹس ایپ انتظامیہ تیسرے بلیو ٹک پر کوئی کام نہیں کر رہی۔

ویب بیٹا انفو کے مطابق واٹس ایپ اسکرین شاٹ معلوم کرنے کے لیے کسی تیسرے بلیو چیک پر کام نہیں کر رہا اس حوالے سے خبریں درست نہیں۔ واضح رہے کہ واٹس ایپ پر میسج چیٹ کے دوران بھیجا گیا پیغام جب سامنے والا شخص دیکھ لے تو دو بلیو ٹک واضح ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں واٹس ایپ استعمال کرنے والی صارفین کو شکایت ہے کہ ان کا گوگل ڈرائیو بیک اپ پچھلے ایک ماہ سے کام نہیں کر رہا۔ اس سے متعلق ویب بیٹا انفو کا کہنا ہے کہ ہمیں ایسی کئی شکایتیں موصول ہوئی ہیں اگر آپ کو بھی واٹس ایپ کے حوالے سے کسی ایسے مسئلے کا سامنا ہے تو اپنے فون کا ماڈل اور واٹس ایپ بلڈ نمبر واضح کریں۔ ❁❁❁

لڑکیوں کو بااختیار بنانے میں والد کا کردار

میرے خوابوں کو حقیقت بنانے اور منزل تک پہنچنے کا راستہ میرے والد ہیں

تحریر: سارہ عتیق

ایک بیٹی کے خواب دیکھنے اور اُن کو پورا کرنے کے لیے والد کی کیا اہمیت ہے یہ تو وہی بتا سکتی ہیں جن کے خوابوں پر پہلا پہرا اُن کے گھر میں یہ کہہ کر ڈال دیا جاتا ہے کہ 'لوگ کیا کہیں گے' یا 'لڑکیاں تھوڑی ہی یہ سب کرتی ہیں۔'

اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے والدین اپنے بچوں کے خوابوں کو پورا کرنے کے لیے اکثر اپنے خواب قربان کر دیا کرتے ہیں لیکن وہیں یہ بھی ہمارے معاشرے کی ایک تلخ حقیقت ہے، بہت سی لڑکیاں صرف اس لیے اپنے خواب پورے نہیں کر پاتیں کیونکہ انھیں اپنے والد، بھائی یا گھر والوں کی جانب سے مخالفت کا سامنا ہوتا ہے اور اپنے عزائم کو پورا کرنے کے لیے انھیں پہلی جنگ اپنے گھر میں ہی لڑنا پڑتی ہے۔

میں بذات خود انھیں لڑکیوں میں سے ہوں۔

گریجویشن میں سائنس کی جگہ آرٹس کا انتخاب، ماسٹرز میں 'کوایجوکیشن' والی یونیورسٹی یا صحافت جیسے شعبے، جس میں غالب اکثریت مردوں کی ہے، میں کام کرنے کا میرا فیصلہ۔۔۔ والد کی مخالفت اسی صورت کچھ کم ہوئی جب خاندان کا کوئی تیسرا فرد بیچ میں پڑا اور مجھ سے ہزاروں قسم کی یقین دہانیاں لی گئیں اور 'کیا کرنا ہے اور کیا نہیں' کی ایک لمبی فہرست مجھے تھما دی گئی۔ جب آج سے پانچ سال قبل میڈیا میں پہلا قدم رکھا اور والد صاحب کو بتایا کہ 'مجھے ایک ٹی وی چینل میں نوکری ملی ہے' تو ان کے منہ سے نکلنے والے پہلے الفاظ یہی تھے کہ 'خبردار! میں تمھیں ٹی وی پر نہ دیکھوں۔'

شروع کے کچھ دنوں میں تو میں نے اپنی رپورٹس میں صرف اپنی آواز استعمال کرنے سے ہی کام چلایا لیکن جہاں ایک طرف میرے باس نے موضوع کی مناسبت سے کیمرے کے سامنے آکر رپورٹ کرنے کا مطالبہ کیا وہیں میرے اپنے شوق نے بھی مجھے تھوڑا مجبور کیا۔ تو بس میں نے کیمرے کے سامنے آکر رپورٹ کر دی لیکن جب رپورٹ چلنے کا وقت آیا تو والد صاحب کے الفاظ 'خبردار! میں تمھیں ٹی وی پر نہ دیکھوں' یاد آ گئے اور تھوڑا خوف طاری ہوا۔

اب بچنے کا یہی طریقہ تھا کہ واقعی میرے والد صاحب مجھے ٹی وی پر نہ دیکھیں۔ تو میں نے فوراً سے گھر میں موجود اپنی چھوٹی بہن کو کال کی اور اس سے کہا کہ 'جب پاپا مغرب کی نماز پڑھنے جائیں تو باہر جا کر کیبل کی تار نکال دینا اور کہنا کیبل خراب ہو گئی ہے۔ جب میرے پروگرام کا وقت نکل جائے اور میری رپورٹ چل جائے تو چُپکے سے تار واپس لگا دینا۔' میرا پلان بُرا نہیں تھا اور کچھ دن اس نے بہترین کام بھی کیا۔ لیکن آخر کار وہ بھی میرے ہی والد ہیں۔ انھیں معلوم ہو گیا کہ ٹھیک پروگرام کے اوقات میں کیبل کا خراب ہونا اور پروگرام ختم ہوتے ہی اس کا اچانک ٹھیک ہو جانا محض اتفاق نہیں ہو سکتا۔ تو اس طرح یہ رسہ کشی چلتی رہی۔

اس دن سے لے کر میرے بی بی سی آنے تک کا سفر طویل ہے لیکن اس دوران پیش آنے والی بڑی تبدیلی کا خلاصہ یہ ہے کہ اب سے کچھ ہفتوں پہلے میرے والد میری سب سے چھوٹی بہن کو خود لاہور لے کر گئے اور اس کا داخلہ ایک کالج میں سائنس کی جگہ میڈیا سائنسز میں کروایا۔ اپنی بہن کی اس کامیابی میں مجھے اپنی کامیابی نظر آئی۔

مگر پاکستان میں ایسے بھی لوگ ہیں جن کا تجربہ میرے تجربے سے بہت الگ رہا ہے۔

'منزل تک پہنچنے کا راستہ میرے والد ہیں'

خوش بخت اپنے نام کی طرح خوش قسمت تھیں کہ انھیں ایک ایسے والد ملے جنھوں نے اُن کے خوابوں کو ایک حقیقت بنانے میں ہر ممکن مدد فراہم کی۔ اور ان تمام معاشرتی رویوں کا خود سامنا کیا جو ان کی بیٹی کے خوابوں کے آڑے آتے رہے۔

انھوں نے بی بی سی کو بتایا کہ 'مجھے بچپن سے فضا میں اُڑنے کا بہت شوق تھا اور میں پائلٹ بننا چاہتی تھی۔ لیکن ہمارے خاندان میں اگر لڑکیوں کو کچھ بننے کی اجازت تھی تو وہ تھا ڈاکٹر۔' خوش بخت خان چھ بہنوں اور ایک بھائی میں سب سے بڑی ہیں۔ وہ پڑھائی میں کمزور نہیں تھیں لیکن تمام تر دباؤ کے باوجود اُن کا دل ڈاکٹری کی تعلیم کی جانب مائل نہیں ہوا۔

'میرے ابو نے دیکھا کہ ڈاکٹر بننے کے دباؤ نے مجھے کچھ اُداس کر دیا ہے تو انھیں نے مجھے کہا کہ اگر تم ڈاکٹر نہیں بننا چاہتی ہو تو نہ بنو اور وہ کرو جو تمھارا دل کرتا ہے۔'

خوش بخت نے اپنے والد کو بتایا کہ وہ کمرشل پائلٹ بننا چاہتی ہیں جس پر ان کے والد نے انھیں یقین دلایا کہ وہ ان کی ہر ممکن حمایت کریں گے۔

'وہ ہر قدم پر میرے ساتھ تھے۔ انھوں نے میرے لیے فلائنگ اکیڈمی کا انتخاب کیا۔ میرا داخلہ وہاں کروایا اور مجھے روز وہاں چھوڑنے اور لینے جاتے ہیں۔'

مگر خوش بخت کے لیے بھی سب کچھ اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ کہتی ہیں کہ ان کے اس فیصلے کی مخالفت بہت سے لوگوں نے کی۔ 'لوگ میرے ابو کو کہتے تھے کہ 'آپ پٹھان ہیں، آپ نے کیسے اپنی بیٹی کو ایک ایسے پیشے کی اجازت دی جس میں زیادہ تر مرد ہیں؟'

خوش بخت کہتی ہیں ان کے والد نے اس مخالفت کے باوجود ان کی بھرپور حمایت جاری رکھی اور یہ انھی کی محنت کا نتیجہ ہے کہ وہ جلد ہی اپنا کمرشل پائلٹ لائسنس حاصل کر لیں گی۔ 'جب میں نے اپنی پہلی اکیلے فلائٹ کی تو میرے خاندان والوں نے اس بات پر بہت فخر محسوس کیا کہ میں ان کے خاندان کی پہلی پائلٹ ہوں۔ اور اب میرے خاندان کے بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ہم بھی اپنی بیٹی کو پائلٹ بنائیں گے۔' خوش بخت سمجھتی

ہیں کہ اگر انھیں اپنے والد کی سپورٹ حاصل نہ ہوتی تو وہ کبھی بھی اپنا پائلٹ بننے کا خواب پورا نہ کر پاتیں۔ 'میں کہوں گی کہ اگر میرے والد نہ ہوتے تو میں اس خواب کو دیکھنے کے قابل بھی نہیں تھی۔ میرے خوابوں کو حقیقت بنانے اور میری منزل تک پہنچنے کا راستہ میرے والد ہیں۔'

یہ ممکن ہے کہ گھر کے دباؤ کی وجہ سے بہت سی لڑکیاں درپیش حالات کے آگے ہتھیار ڈال دیں اور ایسے خواب دیکھنا چھوڑ دیں جن کے حصول کے لیے پہلی لڑائی گھر میں ہی لڑنی پڑے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے والد کی حمایت دیکھ کر لڑکیوں کا حوصلہ پہلے سے مزید بڑھ جائے اور ان کی توجہ اپنے مقصد تک محدود ہو جائے۔

تمام مشکلات کو عبور کر کے اپنی منزل تک پہنچنے والی ہر عورت اپنے بعد آنے والے لڑکیوں کے لیے ایک راستہ ہموار کر دیتی ہے اور معاشرے میں تبدیلی لاتی ہے۔ کبھی انھیں اپنی محنت سے اپنے گھر اور ارد گرد کے لوگوں کی سوچ کو تبدیل کرنا پڑتا ہے تو کبھی ان کے گھر والے انھیں اس قابل بناتے ہیں کہ وہ معاشرے میں مثبت بدلاؤ لائیں۔

❁❁❁

بچوں کی پرورش اور غلط نظریات

تحریر: صوفیہ یزدانی

ماں کی گود کو بچے کی پہلی تربیت گاہ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس گھر کا ماحول بچے کی شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے جس میں وہ آنکھ کھولتا ہے۔ ماں' باپ اور گھر کے دوسرے افراد کی شخصیت اور رویئے بچے کی عادت واطوار کی تشکیل میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ابتدائی عمر میں بچے کو اچھائی اور برائی کا شعور نہیں ہوتا۔

امی ابو اور دادا دادی کی دیکھا دیکھی وہ گھر میں پھوپھو اور چچی وغیرہ کو بعض اوقات ان کے نام سے پکارتا ہے۔ سب سے پہلے بچے والدین کے عمل پر غور کرتے ہیں اور پھر ان کی تقلید کرتے ہوئے وہی کچھ کرتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے مرحلے میں بچے والدین کے انداز گفتگو سے سیکھنا شروع کرتے ہیں۔ بعض بچے جلدی بولنا شروع کر دیتے ہیں اور بعض دیر سے۔

بعض بچوں کے الفاظ بالکل واضح جبکہ کئی بچے توتلا کر بات کرتے ہیں۔

بچے کے بولنے کا یہ عمل فطری ہوتا ہے۔ جو بچے دیر سے بولنا شروع کرتے ہیں ان کے بارے میں اکثر والدین فکر مند ہوتے ہیں کہ شاید ان کا بچہ بول نہیں سکتا۔ چھوٹے بچے خواہ جلدی بولیں یا دیر سے وہ اطراف کی ہر چیز کا شعور رکھتے ہیں اور اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنی بات والدین کو سمجھانا چاہتے ہیں۔ وہ تیز رنگوں اور حرکت کرتی ہوئی چیزوں سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔

بعض والدین لاڈ میں اپنے بچوں سے توتلی زبان میں بات کر کے خوش ہوتے ہیں لیکن درحقیقت وہ بچے کا لہجہ خراب کرنے کی غلطی کر رہے ہوتے ہیں۔ انہیں توتلی زبان میں والدین خصوصاً ماؤں کے بولے جانے والے الفاظ سمجھ نہیں آتے۔ لہٰذا وہ بھی اسی طرح بات کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ والد کے ڈیوٹی پر جانے کے بعد بچے کا زیادہ وقت گھر میں ماں کے ساتھ گزرتا ہے۔

وہ ارد گرد چیزیں دیکھ کر ان کے بارے میں کئی سوال اپنی ماں سے کرتا ہے۔ اکثر مائیں گھر کے کام کرنے یا کھانا پکانے میں مصروف ہوتی ہیں۔ وہ بچوں کے سوالوں کو نظر انداز کرتی ہیں یا ان کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکتیں۔ بعض اوقات بچوں کے سوالوں سے تنگ آکر وہ یا تو انہیں اپنا موبائل فون دے دیتی ہیں یا ٹیلی ویژن کھول کر انہیں اس کے سامنے بیٹھا دیتی ہیں۔

بچے کے سوال اس کے ذہن میں ہی رہتے ہیں اور وہ موبائل فون پر گیمز یا ٹیلی ویژن پر ناسمجھ میں آنے والے پروگرام اور کارٹون وغیرہ دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ چیزیں اس کے معصوم ذہن پر منفی اثر ڈالتی ہیں۔

ماں کی طرف سے نظر انداز کرنے کے باعث بچہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔ ان رویوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد مستقل میں وہ بھی یہی رویہ اپناتے ہیں۔

لہٰذا بچوں کی شخصیت کی مثبت تعمیر کیلئے ضروری ہے کہ ان کو اہمیت دیتے ہوئے ان کے ذہن میں اُٹھنے والے سوالوں کے تسلی بخش جواب دیں۔ انہیں سوال کرنے کی عادت ڈالیں' ان سے خود بھی ہلکے پھلکے سوالات پوچھیں اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں سوال کرنے کے اخلاقیات بھی سکھائیں۔ مثلاً سوال پوچھنے سے پہلے ایکسکیوزمی یا معاف کیجئے کا کہنا اور سوال کرنے اور جواب سننے کے بعد شکریہ' جزاک اللہ یا تھینک یو کہنا بھی سکھائیں۔ چھوٹے بچے خصوصی توجہ کے مستحق ہوتے ہیں انہیں نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہے۔ بچے کی شخصیت کی تعمیر میں یہ چیزیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔

❁❁❁

افسوس

تحریر: منزہ خیام

چلو پھر سے مبارک ہو نئے اس سال کی تم کو
ذرا بھی فکر ہے گزرے ہوئے اعمال کی تم کو
یہ رنگ و روشنی کی محفلیں وقتی تماشا ہیں
سمجھ ہے کیا بدلتے وقت کے احوال کی تم کو
کسی نے کھو دیا ہے کیا کوئی کتنا اکیلا ہے
خبر ہے کیا کسی اپنے کے دل کے حال کی تم کو

منزہ خیام

افسوس! آج اس کے اباجان کی وفات کو پورا ایک ہفتہ ہوگیا تھا پر اس کے لیے وقت جیسے ٹھہر سا گیا تھا اس کے کانوں میں بس ایک ہی آواز گونجتی رہتی تھی۔

بیٹا آپ کے ابا اس دنیا میں نہیں رہے۔۔۔اس کی امی جان نے نہ جانے کس طرح اتنے حوصلے سے اطلاع دی تھی اور دعا کی تلقین کی تھی۔اگر وہ اتنی ہمت و حوصلے کا مظاہرہ نہ کرتیں تو شاید یہ بھی ہوش کھو بیٹھتی۔جب سے یہ خبر اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی وہ محض ایک بت بن چکی تھی۔یہاں پردیس میں اس کا اپنا کوئی نہ تھا۔

وہ ایک بھرے پورے سسرال میں رہتی تھی پر اس کا غم اسی کا تھا باقی سب کے لیے یہ ایک واقعہ تھا جو اب ایک ہفتہ پرانا ہو چلا تھا۔ہر روز ہی کوئی نہ کوئی افسوس کرنے آرہا تھا اور وہ ایک مشین کی مانند ان کے سوالوں کے جواب دیتی اور کاموں میں جت جاتی اس کا دماغ سن ہو چکا تھا۔افسوس کے لیے آنے والوں کے سوال ایک سے تھے۔آپ کے ابو کی عمر کیا تھی؟ بیمار تھے؟ آپ کتنے بہن بھائی ہو؟ امی کہاں ہیں؟ یہاں کبھی آئے آپ سے ملنے؟ وغیرہ وغیرہ...حالانکہ وہ سالوں سے یہیں مقیم تھی اور ان تمام لوگوں سے ہزاروں بار مل چکی تھی پر کبھی کسی نے اس میں دلچسپی لینا ضروری نہیں سمجھا۔ان تمام رسمی جملوں کے لین دین میں اس کے سسرالی کہاں پیچھے تھے ہر پانچ دس منٹ میں اس کی ساس کی آواز آتی۔بس جی سب نے ہی جانا ہے۔۔ہمارے بھی تو ماں باپ چلے گئے۔ہاں جی یہ مرنا جینا تو زندگی کا حصہ ہے اور پھر آنے والی عورتوں کے اپنے قصے۔وہ کب سب میں سے اٹھ کر چائے کا اہتمام کر لاتی کسی کو احساس تک نہ ہوتا۔گھر کی باقی عورتیں باتوں میں اسقدر مصروف ہوتیں کہ وہ بھی ہمیشہ کی طرح اس کا ہاتھ بٹانے سے قاصر رہتیں۔

کوئی گھر سے چائے پانی کے بغیر نہ جائے۔روز کی طرح اسے یاد دہانی کروائی گئی۔اس نے روبوٹ کی مانند سر ہلایا اور کھانا بنانے لگی۔مہمانوں کے سامنے زندگی کے فلسفے جھاڑنے والے اس گھر کے تمام افراد اس سے ہمدردی کرنے کو غیر اہم سمجھتے تھے۔ساحل کی امی افسوس کرنے آرہی ہیں اس کی نند نے اطلاع دی جس کو سنتے ہی سارے گھر میں افراتفری کا ماحول بن گیا کیونکہ وہ اس کی نند کے شوہر کی پھوپھو تھیں۔اس کی ساس مسلسل ہدایات جاری کر رہی تھیں آخر بیٹی کے سسرال سے کوئی آرہا تھا وہ بھی ان کے داماد صاحب کی پھوپھو۔وہ چپ چاپ کاموں میں لگی رہی۔

اسلام وعلیکم آنٹی! سلام کرتے وقت جب اس نے آنٹی کی طرف دیکھا تو ایک عجیب سا نور ان کے چہرے پہ نظر آیا۔آنٹی نہیں اماں کہو بیٹا سب مجھے اماں کہتے ہیں۔یہ کہتے ہی اماں نے اسے گلے سے لگالیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون

اللہ آپ کے والد محترم کے درجات بلند فرمائے آمین وہ اس کا ماتھا چومتے ہوئے لگاتار دعائیں دے رہی تھیں۔وہ حسب عادت انھیں بٹھا کر کچن میں جانے لگی تو اماں نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔اب وہی سوال جواب کا سلسلہ۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اماں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور بڑی شفقت سے سہلانے لگیں۔اسے لگا اس کے اندر کچھ ٹوٹ رہا ہے۔آنکھوں سے آنسو باہر آنے کو بیتاب ہونے لگے۔اماں کی آواز آئی۔۔بیٹا مغفرت کی دعا یاد ہے؟

جی اماں جی۔۔اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔بیٹا جتنی دعا ہو سکے کرو بچوں کی دعائیں ماں باپ کے حق میں قبول ہوتی ہیں۔اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے اماں کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ٹپ ٹپ ٹپ آنسوؤں کی برسات جاری ہوگئی اس کا دل پگھلنے لگا اماں کے محبت بھرے لمس نے اسے مشین سے انسان بنا دیا۔وہ بے اختیار رونے لگی۔بس بیٹا بس صبر کرو اماں کی شفقت بھری آواز کسی مرہم کی مانند تھی۔وہ ان سے گلے لگ کر مزید رو دی۔اماں نے بھی اسے خود الگ نہ کیا بس پیار سے سر پر ہاتھ پھیرتی رہیں۔اماں اس کے لیے جیسے ایک فرشتہ ثابت ہوئیں آج وہ اپنا غم ان سے ایسے بانٹ رہی تھی جیسے ان سے برسوں کا رشتہ ہو۔

اٹھو بیٹا منہ دھو لو اور وضو کرلو نماز کا وقت ہو رہا ہے میں بھی نماز میں آپ کے اباجان کے لیے دعا کروں گی۔اماں نے شیریں لہجے میں یاد دہانی کروائی۔

جی اماں جی۔۔۔کمرے سے جاتے ہوئے اسے اپنی ساس کی آواز سنائی دی۔

ارے میں بھی یہی کہہ رہی ہوں کب سے کہ صبر کرو ہر کسی نے مرنا ہے۔۔یہ تو زندگی کا دستور ہے جی۔۔۔ ❁❁❁

ذرا دھیان ادھر بھی

تحریر: نیلم علی راجہ - چکوال پاکستان

عموماً والدین کو یہ پریشانی لاحق ہوتی ہے کہ اگر انکا بچہ گھر سے باہر نکلا تو وہ بری صحبت کا شکار نہ ہو جائے...

ایسے وسوسے اور اندیشے ماؤں کو زیادہ ستاتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ ان کو موبائل فون اور انٹرنیٹ استعمال کرنے کی بھرپور اجازت دے دیتی ہیں۔ یہ سوچتے ہوئے کہ چلو بچہ گھر پہ تو ہے، نظروں کے سامنے تو رہے گا، پریشانی نہیں ہوگی۔... اور خود اپنے گھر کے کاموں میں مصروف رہتی ہیں۔

مائیں اس بات سے قطعی لاعلم ہوتی ہیں کہ بچہ موبائل فون یا کمپیوٹر پر کیا دیکھ رہا ہے... یہ دونوں چیزیں اس کسی ایک ''برے شخص'' کی صحبت سے زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتی ہیں... اس امر میں والدین کو محتاط ہونے کی اشد ضرورت ہے۔

انٹرنیٹ پر اب ہر طرح کا مواد میسر ہے۔ اگر حکومت نے کوئی چیک لگایا بھی ہے تو لوگوں نے اس کے چور دروازے بھی نکال لیے ہیں۔ غرض ایسے مواد تک رسائی بے حد آسان ہے۔ اس امر میں چند باتیں آپ کو بڑی پریشانی سے بچا سکتی ہیں۔

والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو موبائل اور کمپیوٹر کی بجائے اپنا ''وقت'' اور ''ساتھ'' دیں۔ جو ان کی تربیت کر سکے۔

ان کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی اور کمپیوٹر دیکھیں۔ موبائل کا استعمال خود بھی ضرورتاً کریں تاکہ بچوں کو معلوم ہو کہ اس چیز کا زیادہ استعمال گھر میں ممنوع ہے۔

جب بچے ٹی وی اور کمپیوٹر پر مصروف ہوں تو گاہے بگاہے وہاں چکر لگاتے رہیں تاکہ بچہ بھی محتاط رہے۔

اس کے علاوہ ہر کمرے میں الگ ٹی وی کے بجائے ٹی وی لاؤنج میں ایک ہی ٹی وی رکھیں جس پر سب گھر والے مل بیٹھ کر ڈرامہ، فلم دیکھیں۔

بچوں کو باہر گھمانے لے جایا کریں۔

انھیں آرٹ ڈور گیمز میں مصروف رکھیں۔ کھیلوں کی طرف دھیان لگائیں۔

* کوشش کریں آپ کا ہر بچہ کوئی نہ کوئی کھیل ضرور کھیلے۔ خود بھی بچوں کے ساتھ شامل ہوں۔ ماں اگر پڑھی لکھی نہیں بھی ہے تو بچوں کے ساتھ پکڑن پکڑائی، چھپن چھپائی تو کھیل سکتی ہے ناں۔

خود کو بڑا نہ ہونے دیں بچوں کے ساتھ بچہ بنے رہیں۔ ساتھ ساتھ ان کو اپنے بچپن کے قصے سنائیں، بچے اس بات پہ بہت خوش ہوتے ہیں۔

بچہ بھی آپ سے بہت کچھ سیکھے گا اور آپ کی ٹینشن، ڈیپریشن اور تھکان بھی دور ہو جائے گی۔ آپسی فاصلہ تو کم ہو گا ہی۔ جنریشن گیپ جیسی ٹرم کا اس نسل کو سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ ❁❁❁

1160 اینٹیں توڑنے والی باہمت لڑکی نیلوفر شیرازی نے ورلڈ ریکارڈ قائم کر ڈالا

اسلام آباد کے ایف نائن پارک میں باہمت لڑکی نیلوفر شیرازی نے ورلڈ ریکارڈ قائم کر ڈالا۔

اپنی کلائی کے زور سے 1160 اینٹیں توڑ کر اپنا ہی ریکارڈ توڑ دیا۔ خیبر پختونخوا کے شہر بٹگرام سے تعلق رکھنے والی نیلوفر شیرازی نے جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ورلڈ ریکارڈ قائم کر دیا۔

رواں سال فروری میں 1000 اینٹیں توڑنے والی نیلوفر نے اس بار 1160 اینٹیں توڑ کر اپنا ہی ریکارڈ توڑ ڈالا۔

نیلوفر ایک کے بعد ایک اینٹ توڑتی چلی گئیں، ہاتھ زخمی ہوا لیکن بلندیوں کو چھونے والے جذبے میں کمی نہ آئی۔ نیلوفر معاشرے کو پیغام دینا چاہتی ہیں کہ لڑکیاں صلاحتیوں میں کسی سے کم نہیں۔

کلائی کے زور سے نیلوفر کو اینٹیں توڑتے دیکھ کر شہری دنگ رہ گئے اور نیلوفر کو لڑکیوں کے لیے رول ماڈل قرار دے دیا۔

ورلڈ ریکارڈ قائم کرتے وقت نیلوفر نے اپنے جرأت مندانہ عمل سے شہریوں سے خوب داد بھی وصول کی۔

1160 اینٹین توڑ کر نیلوفر شیرازی نے نہ صرف ورلڈ ریکارڈ قائم کیا بلکہ ثابت کر دیا کہ لڑکیوں کے لیے کوئی کام ناممکن نہیں۔

❁❁❁

چائے یا قہوہ

تحریر: حمیرا علیم

چائے پانی کے بعد دنیامیں سب سے زیادہ پیاجانے والامشروب ہے۔ایشیا خصوصا انڈیا پاکستان میں چائے پانی کیطرح پی جاتی ہے۔ناشتہ ہو یا شام کا سپر چائے کے بغیر ادھورا ہے۔مہمانوں کی آمد ہو یا دوستوں کے مل بیٹھنے کا بہانہ چائے بہترین مشروب ہے۔اور مزے کی بات ہے اس میں ورائٹیز بھی بیشمار ہیں۔مثلا ادرک والی چائے، مصالحے والی چائے، الائچی والی چائے، دارچینی والی چائے، ملٹھی والی چائے، کشمیری چائے وغیرہ وغیرہ۔اس کا آغاز 2737 قبل مسیح میں شمال مغربی چین کے شہر سیچوان / یونان سے ہوا۔

وہاں کے لوگ پانی میں چائے کی پتیاں ابال کر دوا کے طور پر پیتے تھے۔چینی تاریخ کے مطابق اس کی کاشت سب سے پہلے 59 قبل مسیح میں منگ کے پہاڑوں پر کی گئی تھی۔پہلے پہل اسے غلاموں کا مشروب سمجھا جاتا تھا اور شرفاء اسے پینا معیوب سمجھتے تھے۔اور اسے دہی سے کمتر خیال کیا جاتا تھا۔لیکن تنگ خاندان کے دور حکومت میں اسے مقبولیت حاصل ہوئی۔ہر چائے کیمیلیا پودے کی مختلف اقسام سے حاصل کیجاتی ہے جتنی کم پراسسڈ چائے ہوتی ہے اتنے ہی زیادہ اینٹی آکسیڈینٹ ہوتے ہیں اسی لئے سبز چائے میں کالی چائے سے زیادہ اینٹی آکسیڈینٹ ہوتے ہیں اور سفید چائے میں سب سے زیادہ اینٹی آکسیڈینٹ پائے جاتے ہیں لیکن کالی چائے کو سب سے زیادہ دیر تک محفوظ رکھا جاسکتا ہے اسی لئے چین خود تو سبز چائے پیتا ہے مگر دنیا کو کالی چائے بیچتا ہے۔ویسے تو اس کی ہزاروں اقسام ہیں مگر سب سے مشہور نو اقسام ہیں۔

1: سفید چائے:

جو کہ سب سے خالص چائے ہوتی ہے بغیر کسی کیمیائی عمل کے اسے تیار کیا جاتا ہے اور چائے کے شوقین اسے اس کے ذائقے اور مٹھاس کیوجہ سے بیحد پسند کرتے ہیں۔

2: سبز چائے:

یہ زیادہ تر ایشیائی ممالک میں پسند کیجاتی ہے۔یہ بہت ہلکی اور ہاضم ہوتی ہے۔کچھ ممالک جیسے ترکی اور ازبکستان میں اس میں مختلف پھولوں اور پھلوں کو شامل کر کے مختلف ذائقے اور رنگ دے دیئے جاتے ہیں۔

3: وولونگ چائے

یہ زیادہ تر چین میں پی جاتی ہے اور وہاں کے ریستورانوں میں مشہور ہے۔

4: کالی چائے

جو کہ اکثر لوگ بچپن سے پیتے آرہے ہیں۔اسے پانی میں اچھی طرح ابال کر چینی اور دودھ کیساتھ ملا کر پیا جاتا ہے۔اور اس کی آئس ٹی بھی پی جاتی ہے۔

5: ہربل چائے

یہ وہ واحد چائے ہے جو کمیلیا پودے کی کسی قسم سے نہیں بنتی۔بلکہ اس کی تین اقسام ہیں۔روئیبس، میٹ اور ہربل۔ہربل چائے میں جڑی بوٹیا، پھول اور پھل استعمال کئے جاتے ہیں اور یہ ٹھنڈی اور گرم دونوں طرح سے پی جاتی ہے۔

6: روئیبس چائے

جنوبی افریقہ کی ایک سرخ جھاڑی سے بنائی جانے والی ہربل چائے ہے۔اسے ''سرخ چائے'' بھی کہا جاتا ہے اور یہ ٹھنڈی اور گرم دونوں صورتوں میں پی جاتی ہے۔

7: میٹ چائے

یہ کافی لورز کی پسندیدہ چائے ہے کیونکہ اس کا ذائقہ کافی سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔میٹ ارجنٹینا کی ایک جھاڑی ہے اس کا ذائقہ بہت تیز ہوتا ہے۔اسے ایک کدو میں ڈالکر بہت سارے اسٹراز لگا کر سب مل کر پیتے ہیں۔

8: بلومنگ چائے

اسے فنکارانہ یا پھولوں والی چائے کہتے ہیں کیونکہ یہ چائے دراصل مختلف اشکال میں کھلتی ہے۔اس لئے اسے بلومنگ ٹی کہا جاتا ہے۔اسے چائے بنانے والے فنکار ہاتھوں سے بناتے ہیں۔خوبصورت ڈیزائنز کیساتھ ساتھ اس میں خوشبو اور ذائقے بھی ہوتے ہیں۔اس چائے کو تحفے کے طور پر بھی دیا جاتا ہے کیونکہ اس کے ڈیزائنز بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔

9: ٹی بلینڈر

اس چائے میں بہت سی اقسام کی چائے مکس کیجاتی ہے۔جو اسے منفرد ذائقہ دیتی

خواتین ڈائجسٹ

ہیں۔ ویسے تو دارجلنگ کی چائے انڈیا پاکستان میں سب سے زیادہ مہنگی اور مقبول ہے۔ مگر دنیا میں کچھ ایسی بھی چائے کی اقسام ہیں جن کی قیمت لاکھوں میں ہے جن میں سے کچھ یہ ہیں۔

1: ڈاہونگ پاو

اس کی قیمت چھ لاکھ ڈالرز پر پاونڈ ہے۔ یہ منگ نسل کی بنائی ہوئی کالی چائے ہے۔ اسے "بگ ریڈ روب" چائے کہا جاتا ہے۔ جس کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ یہ اس قدر مہنگی اس لئے ہے کیونکہ یہ پہاڑوں پر آگے ہوئے ان پودوں سے کاشت کیجاتی ہے جو تین سو سال پہلے لگائے گئے تھے۔ ان سے آخری فصل 2005 میں حاصل کی گئی تھی۔ یہ سونے سے تقریباً تیس گنا زیادہ قیمتی ہے۔ اس کا ایک گرام 1400 ڈالرز یعنی تقریباً اڑھائی لاکھ روپے کا ہے۔ کچھ کمپنیز ڈاہونگ پاو کو کم قیمت پر بھی بیچتی ہیں۔ کیونکہ وہ نئے پودوں سے پتیاں حاصل کرتی ہیں۔ جنہیں ووئی آئی پہاڑیوں کے ارد گرد کے علاقے میں اگایا گیا ہے۔ اس طرح بہت سے لوگ اس کے ذائقے سے لطف اندوز ہو پاتے ہیں۔

2: پانڈا ڈنگ چائے

اس کی قیمت 35000 ڈالرز پر پاونڈ ہے۔ یہ کوپی لوواک کیطرح کی چائے ہے۔ جیسے کوپی لوواک کو انڈونیشیا کی خاص بلیوں کے فضلے سے حاصل کیا جاتا ہے ویسے ہی اس چائے کو پانڈا کے فضلے کی کھاد دی جاتی ہے۔ چونکہ پانڈا اپنی خوراک کے صرف 30 فیصد نیوٹرینٹس ہی جذب کرتے ہیں اس لئے یہ چائے صحت کیلئے بیحد مفید ہوتی ہے۔ پانڈا کے فضلے میں موجود امینو ایسڈ اور پولی فینلز چائے کے پودے کیلئے بہترین کھاد ثابت ہوتے ہیں۔ اس چائے کو ماہرین، بہت کم مقدار میں سیچوان کے علاقے میں اگاتے ہیں۔ یہ بیحد مہک دار اور مزے دار چائے ہے۔

3: پی جی ٹپس ڈائمنڈ ٹی بیگز

اس چائے کا ایک ٹی بیگ 15000 ڈالرز کا ہے۔ پی جی ٹپس ایک برطانوی چائے کی کمپنی ہے جو اپنی مزے دار چائے کیلئے مشہور ہے۔ اس کمپنی نے 2005 میں اپنی پچھترویں سالگرہ منائی تھی۔ جس پہ انہوں نے ڈائمنڈ لگے ٹی بیگ میں دارجلنگ کی چائے پیش کی۔ اس بیگ پہ 2۔56 قیراط کے 280 ڈائمنڈز اور ایک نازک سی سونے کی چین لگی ہوئی ہے۔ اس بیگ کو بوڈلز نامی جیولرز نے تیار کیا اور اس کے ذریعے رائل مانچسٹر چلڈرن ہاسپٹل کیلئے فنڈ حاصل کئے گئے۔ اس ٹی بیگ میں انڈین میکا بیری اسٹیٹ میں اگنے والی چائے کی سلور ٹپس امپریل پتیاں موجود تھیں۔

4: وینٹیج نارسس

یہ وولونگ چائے ووئی آئی کی پہاڑیوں پر اگائی جاتی ہے۔ اس میں سنہری پیلی چائے کی پتیوں کی کونپلیں ہوتی ہیں۔ اس کا نام یونانی شکاری نارسس پر ہے جو ہر چیز میں خوبصورتی تلاش کر لیتا تھا۔ یہ چائے آکسیڈینٹس کی بھاری مقدار رکھتی ہے تقریباً 60 فیصد یہی وجہ ہے کہ یہ چاکلیٹ، لکڑی اور نٹس کا ذائقہ رکھتی ہے۔ سب سے مہنگی ووئی آئی وولونگ چائے ایک پچاس سالہ پرانے باکس میں بیچی گئی تھی جو کہ مہنگی اشیاء جمع کرنے کے شوقین لوگوں کیلئے ایک شاہکار تھی۔

5: ٹی گونین چائے

وولونگ چائے کی یہ قسم 15000 ڈالر پر پاونڈ بکتی ہے۔ اس کا نام بدھ مت کی مریخ کی آئرن دیوی پر ہے۔ اسے انیسویں صدی کے آغاز میں فیوجین صوبے میں اگایا گیا تھا۔ اسے برطانیہ میں بکنے والی سب سے قیمتی چائے ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس چائے کو کئی بار استعمال کیا جا سکتا ہے اور اس کا ذائقہ بھی خراب نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے اس کی قیمت بھی زیادہ نہیں لگتی۔

یہ تو ہو گئی چائے اب آتے ہیں قہوے کی جانب تو یہ بنیادی طور پر صدیوں سے عرب، افغان، ایرانی، پاکستانی قبائلی اور کشمیری دسترخوان کا حصہ ہے۔ ہر جگہ اسے مختلف انداز میں تیار کیا جاتا ہے اور پیا جاتا ہے۔ عرب اسے تلخ ذائقے کیساتھ پینا پسند کرتے ہیں۔ اور کافی بینز کو بہت ساری الائچی کیساتھ پیس کر پانی میں ابال کر کھجور کیساتھ پیتے ہیں۔ ایرانی، افغانی اور قبائلی لوگ گرم پانی میں چند پتیاں کالی چائے کی ڈالکر ٹافیز، چینی کی گولیوں یا گڑ کیساتھ پینا پسند کرتے ہیں۔ جبکہ کشمیری قہوہ زعفران، الائچی، دارچینی لونگ اور کسی خشک پھل جیسے چیری، سیب، چلغوزہ، پستہ، بادام، اخروٹ، کاجو، کشمش، چھوہارے کیساتھ ایک سماوار میں تیار کیا جاتا ہے۔ اور شہد کیساتھ پیا جاتا ہے۔

قہوے کے بہت سے فوائد ہیں جیسے کہ یہ ہاضمہ درست رکھتا ہے۔ خصوصاً سردیوں میں بہت اچھا ہوتا ہے۔ میٹابولزم بڑھاتا ہے۔ وزن کم کرتا ہے دل کی بیماریوں سے بچاتا ہے۔ زعفران میں موجود وٹامن بی 12 جسم کے دفاعی نظام کو تقویت پہنچاتا ہے۔ اس کے چند گھونٹ سٹریس اور پریشانی کو دور کر دیتے ہیں۔ سردی، فلو، پیٹ درد اور سینے میں جکڑن میں آرام پہنچاتا ہے۔ جلد کو ملائم اور نم رکھتا ہے۔ اگر اس میں بادام ملا لیے جائیں تو جلد چمکدار ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیری سرخ و سپید رنگت کے مالک ہوتے ہیں۔

تو ثابت ہوا کہ قہوہ ہو یا چائے دونوں کا اپنا ہی مزہ ہے موقعے کی مناسبت سے کبھی چائے اور کبھی قہوہ پینا نقصان دہ نہیں ہے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ میں دونوں ہی نہیں پیتی۔ ہاں سردیوں میں کبھی کبھار بلیک کافی پی لیتی ہوں۔

❁❁❁

آبگینے خواتین ڈائجسٹ

خواتین کی ہراسانی کے واقعات میں اضافہ

تحریر: انیلہ اشرف

پاکستان میں آج بھی خواتین جعلی اور غلط معلومات کی وجہ سے ہراسانی کا شکار ہیں، اس ضمن میں ہراسانی کے خلاف بنائے گئے قوانین اور اس کی روک تھام کے لئے اٹھائے گئے اقدامات کے باوجود ہراسانی کے واقعات روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ایسے تمام واقعات کی روک تھام کے لئے سائبر کرائم کے مقدمات کے اندراج اور تفتیش کے لئے ایف آئی اے میں سائبر ونگ تشکیل دیا جا چکا ہے لیکن یہ تمام اقدامات بھی خواتین کو ہراساں کیے جانے کے واقعات میں کمی نہیں لا سکے۔

تاہم پاکستان کے سب سے بڑے صوبے پنجاب کے ایک بڑے شہر ملتان میں ایف آئی اے کے سائبر ونگ میں جرم کی تفتیش اور خواتین کی معاونت کے لئے تا حال کوئی خاتون اہلکار تعینات نہیں کی جا سکی ہے جبکہ مرد افسران اور اہلکاروں کا اس برانچ پر غلبہ ہونے، صنفی طور پر ہراساں کیے جانے کی باریکیوں کو نا سمجھنے اور اس ضمن میں خاص ٹریننگ نا ہونے کی وجہ سے من مانے طریقوں سے تفتیش کرتے ہیں اور عدالت میں چالان پیش کرنے میں معین کردہ وقت سے تجاوز کر جاتے ہیں جس سے دوران کیس کئی ثبوت اور گواہان کے ضائع ہونے کا احتمال بھی رہتا ہے۔ جبکہ پاکستانی عدالتی سسٹم کی طوالت بھی قانون پر سختی سے عملدرآمد ہونے میں رکاوٹ حائل کیے دیتی ہے۔

اس ضمن میں ملتان کی ایک قانون دان کو بھی آن لائن ہراسمنٹ کا سامنا ہے انھوں نے بتایا کہ سب سے پہلے انہیں ان کے سوشل میڈیا اکاؤنٹس پر مختلف پیغامات اور فرینڈ شپ ریکویسٹس موصول ہونا شروع ہوئیں جس سے انہیں ذہنی کوفت کا سامنا کرنا پڑا پھر کسی نامعلوم فرد کی جانب سے ان کے نام کا جعلی فیس بک اکاؤنٹ بنا کر انہیں بدنام کرنے کوشش کی گئی جس پر انھوں نے ایف آئی اے کے سائبر کرائم ونگ سے رجوع کیا تاہم ایف آئی اے میں سائبر کرائم اور صنفی حوالوں سے افسران و اہلکاروں کی خاص تربیت نا ہونے کے باعث ایسے مقدمات میں پہلے ہی خواتین کو کئی مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے جو ان کی پریشانیوں کو کم کرنے کی بجائے زیادہ کرتی ہیں۔

خاتون قانون دان نے مزید بتا کہ ان کا فیس بک کا بوگس اکاؤنٹ چند ماہ پہلے سامنے آیا تھا جب مختلف حلقوں سے انہیں فیس بک پر غیر اخلاقی کمنٹس کرنے اور ناپسندیدہ حلقوں میں فرینڈ شپ لسٹ میں ہونے کا معلوم ہوا جس پر تصدیق کرنے پر انھیں اپنے نام کے جعلی اکاؤنٹ ہونے کا علم ہوا اس پر انھوں نے سب سے پہلے اپنے اکاؤنٹ پر اس اکاؤنٹ سے لاتعلقی کا اظہار کیا اور ایف آئی اے کے سائبر ونگ سے رجوع کیا تاہم دوران تفتیش متعدد ایسے سوالات کا سامنا کرنا پڑا کے دوبارہ اپنے شوہر کے ساتھ بھی اس ونگ کے پاس جانے کی ہمت نہیں کر سکتی۔ ان کا کہنا تھا کہ اب عدالت کے ذریعے مقدمہ درج کروانے اور تفتیش مکمل کروانے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔ خاتون قانون دان کا کہنا تھا اگر یہ سب کچھ میرے ساتھ ہو رہا ہے تو ایک عام خاتون کے ساتھ کیا کیا کچھ ہوتا ہو گا کیا ایک عام پاکستانی خاتون سائبر کرائم ونگ سے انصاف پا سکے گی۔

پاکستان میں خواتین کے حقوق کے لئے کام کرنے والی سماجی تنظیموں کی جانب سے جاری جدوجہد، عالمی دباؤ اور خواتین کو انٹرنیٹ پر ہراساں کرنے کے ساتھ ساتھ بلیک میل کرنے کے متعدد واقعات کے بعد خواتین کے عزت اور جان گنوانے کی واقعات منظرنامے پر ابھرنے کے بعد 2016 میں حکومت نے الیکٹرانک جرائم کی روک تھام کا ایکٹ پیکا منظور کیا جس میں آن لائن انتہاپسندانہ مواد کو محدود کرنے نفرت انگیز تقاریر اور انٹرنیٹ پر خواتین کو ہراساں کرنے کی روک تھام کے حوالے سے قانون سازی کی گئی اور یہ دعوی بھی کیا گیا کہ اب پاکستان میں خواتین کے لیے انٹرنیٹ زیادہ محفوظ بنا دیا گیا ہے۔

تاہم حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ ہراسانی کا شکار خواتین کو آن لائن شکایت درج کرانے کے باوجود ایف آئی اے کا عملہ اپنے دفتر طلب کرتا ہے۔ تحریری شکایت بھی دوبارہ جمع کروانے کا کہتا ہے جبکہ اپنے ساتھ ساتھ اپنے والد بھائی یا شوہر کا شناختی کارڈ فون نمبر اور اپنے خلاف استعمال شدہ مواد کی سکرین شارٹس کی تصاویر نازیبا ویڈیوز بھی جمع کروانے کا حکم صادر کرتا ہے۔ جس پر متاثرہ خاتون اپنے کیس کو یا تو واپس لے لیتی ہے اور اس کیس کی پیروی ہی نہیں کرتی۔

اس ضمن میں جنوبی پنجاب کے ضلع مظفر گڑھ میں پولیس کی جانب سے خواتین کے خلاف جرائم کے لیے بنائے گئے ڈیسک کی خاتون انچارج سب انسپکٹر کی جانب سے خواتین کے خلاف بلیک میلنگ اور جنسی زیادتیوں کی ویڈیوز کو اپنے مرد دوست کو دیے جانے کا مقدمہ بھی سامنے آ چکا ہے تاہم یہ بات ثابت ہو جانے کے بعد اس

خاتون انسپکٹر کو ملازمت سے فارغ کیا جا چکا ہے۔

انسداد تشدد مرکز برائے خواتین میں لیگل ہیلپ ڈیسک کی انچارج معظّمہ حسنین نے کہا ہے کہ ہمارے ہاں مردوں کی جانب سے خواتین کو ہراساں کرنے اور بلیک کرنے کے واقعات تواتر سے سامنے آرہے ہیں جبکہ ان کے پاس تو سابق شوہروں کی جانب سے رشتہ ختم ہونے پر ازدواجی زندگی کے دوران بنائی گئی تصاویر اور ویڈیوز کے ذریعے بلیک میل کرنے اور فیملی عدالتوں سے مقدمات واپس لینے یا بچوں کی حوالگی کرنے کے مطالبات کیے گئے اور مطالبات تسلیم نہیں کرنے پر مذکورہ تصاویر اور ویڈیوز سوشل میڈیا پر اپ لوڈ کر دی گئیں۔ ان مقدمات کی تفتیش اور قانونی موشگافیوں اور معاشرتی دباؤ کے باعث ملتان ریجن میں یہ مقدمات عدالتوں میں بھی نہیں چل پائے اور کچھ کو تفتیش کی سطح پر ہی واپس لے لیا گیا۔ یقیناً یہ ایک افسوسناک صورتحال ہے۔

پاکستان میں ڈیجیٹل حقوق کے لیے کام کرنے والے ادارے ڈیجیٹل رائٹس فاؤنڈیشن کے مطابق ان کی سائبر ہراسمنٹ ہیلپ لائن پر جنوری 2021ء سے اکتوبر 2021ء تک مختلف اقسام کی سائبر ہراسمنٹ کی 3837 شکایات موصول ہوئیں۔ ان شکایت کنندہ میں 2713 خواتین، 1148 مرد اور 11 ٹرانس جینڈر افراد شامل ہیں۔ ایف آئی اے کے پاس آن لائن ہراسمنٹ ختم کرنے کے لیے مطلوبہ وسائل بھی موجود نہیں ہیں جس کی وجہ سے اس قانون کو 6 سال گزرنے کے باوجود ابھی تک آن لائن ہراسمنٹ کے خلاف سزاؤں میں تیزی نہیں لائی جا سکی ہے۔

ایف آئی اے کے سائبر کرائم ونگ ملتان ریجن کے مطابق گزشتہ سال آن لائن ہراسمنٹ اور بلیک میلنگ کی 1280 شکایات درج کرائی گئیں تھیں جن میں سے 460 شکایات کے خلاف ثبوت موجود نہیں تھے یا درخواست گزاروں نے اپنی شکایات واپس لے لیں جبکہ 180 شکایات کے چالان مکمل کرنے کے بعد عدالتوں میں بھیجے جا چکے ہیں جبکہ 640 شکایات تحقیق و تفتیش کے مختلف مراحل میں ہیں ان میں 590 شکایات فیس بک ہراسمنٹ اور بوگس اکاؤنٹس کی صورت میں ہیں 120 وٹس اپ پر ہراساں کرنے 430 برہنہ تصاویر بنا کر سوشل میڈیا پر اپ لوڈ کرنے یا دھمکیاں دینے پر ہیں۔

سماجی تنظیم کی سربراہ طاہرہ نجم نے اس حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ آن لائن ہراسمنٹ کی پاکستان میں صورتحال یہ ہو چکی ہے کہ آن لائن کاروبار کرنے والی خواتین صرف اس وجہ سے مشکلات کا شکار ہیں کہ انھیں بار بار تنگ کیا جاتا ہے جبکہ ملک کی موجودہ معاشی صورتحال میں اگر کوئی خاتون اپنے مرد کے ساتھ کام کرنا چاہے تو اسے آن لائن بنیادی تحفظ کا احساس رہنا چاہیے تاہم آن لائن ہراسمنٹ اور ہماری گھٹن زدہ روایات اور عورت کے خلاف نظریات کے باعث بہت سی خواتین اپنے کاروبار کو جاری نہیں رکھ پاتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ سائبر کرائم کے افسران کو جوابدہ بنانے کے لئے اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

❁❁❁

ہائی ریزولوشن فوٹو یا پینٹنگ؟

اس شاہکار نے سب کو حیران کر دیا۔ سوئیڈن سے تعلق رکھنے والے ایک آرٹسٹ نے ہائی ریزولوشن فوٹو گرافی کے مقابلے میں پینٹنگ بنا کر دیکھنے والوں کو حیران کر دیا۔

اپنی پینٹنگز کے بارے میں سوئیڈش آرٹسٹ جوہانس ویس مارک کا کہنا ہے کہ میں اپنی پینٹنگز میں آرام وسکون دکھانا چاہتا ہوں۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ پانی اور ایسے مناظر وہ موضوع ہیں جو کئی سالوں سے میرا تعاقب کر رہے ہیں۔

ان کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ بچپن سے ہی اپنے کمرے کو صاف رکھنے، اپنے کھلونوں کو رنگ کے اعتبار سے ترتیب دے کر احسن انداز میں رکھنے کے قائل تھے۔

جوہانس ویس مارک میں مصور بننے کی خواہش تھی، وہ اکثر پینٹنگ بھی کیا کرتے تھے اور ان کی والدہ نے پینٹر بننے میں ان کی حوصلہ افزائی کی جس کے باعث وہ آج دنیا کے سب سے زیادہ قابلِ عزت ہائپر ریئلسٹک فن پاروں میں سے ایک ہیں۔

جوہانس کہتے ہیں کہ میں ایسے ملک میں پلا بڑھا ہوں، جہاں میں نے زیادہ تر وقت جنگل اور جنگلی حیات کو ہی دیکھا ہے۔

جوہانس کی ایک سے بڑھ کر ایک پینٹنگز ان کے سوشل میڈیا اکاؤنٹ پر دیکھی جا سکتی ہیں۔

❁❁❁

ہر در و دیوار پہ لکھا سچ!

تحریر: ڈاکٹر لبنیٰ ظہیر

مسائل کا ڈھیر سامنے ہو تو آدمی کس پر قلم اٹھائے اور کسے نظر انداز کرے۔

مہنگائی تو ایک مستقل مسئلہ بن کر رہ گئی ہے۔ اب منی بجٹ مہنگائی کی بھڑکتی ہوئی آگ پر تیل کی طرح گرا ہے اور نہ جانے کب تک گرتا ہی چلا جائے گا۔ یہ بات تو کم از کم پاکستان کی حد تک طے ہو چکی ہے کہ جب بھی بجٹ کی گونج سنائی دیتی ہے عوام پہلے ہی سے مہنگائی کی ایک نئی لہر کے لئے کمر کس لیتے ہیں۔ ایک زمانے میں سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں کچھ تھوڑا بہت اضافہ بھی ہو جاتا تھا۔ اس اضافے کے بعد بھی مارکیٹ میں مہنگائی آتی تھی لیکن کبھی یہ حال نہ تھا کہ مہنگائی آسمان سے باتیں کرنے لگے اور تنخواہوں میں اضافہ ہو بھی تو برائے نام۔

یہ جو منی بجٹ آیا ہے، حکومت کے خیال میں اس کا عام لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا لیکن ادھر یہ بجٹ اخبارات کی زینت بنا ادھر خود بخود ہی اشیائے ضرورت کی قیمتیں اوپر کو اٹھنے لگیں۔ لوگ یہ بھی پوچھتے ہیں کہ جون میں آنے والا بجٹ تو سال بھر کی آمدن اور اخراجات کا تخمینہ ہوتا ہے۔ اس میں ہر قسم کے ٹیکس اور محصولات بھی طے کر لئے جاتے ہیں۔ جب تین چار ماہ بعد یا پانچ چھ ماہ بعد آپ کو ضمنی بجٹ لانے کی ضرورت پڑتی ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ نے جون میں جو میزانیہ دیا تھا، وہ حقائق کے منافی تھا۔

یا تو وہ میزانیہ بناتے وقت آپ کے پاس درست اعداد و شمار نہیں تھے، یا پھر آپ نے اسی وقت یہ سوچ لیا تھا کہ فی الحال تو بجٹ کی رسم پوری کر دو۔ جب نتائج اس کے مطابق نہیں نکلیں گے تو ہم ایک ضمنی بجٹ لے آئیں گے۔ پھر بھی کام نہ چلا تو ایک اور لے آئیں گے۔ بنیادی طور پر اس کے معنی یہ ہیں کہ بجٹ تیار کرنے والی ٹیم میں اہلیت نہیں تھی کہ وہ سال بھر کے اعداد و شمار یا دیگر تخمینوں کا درست اندازہ لگا سکے۔

منی بجٹ کے بارے میں اپوزیشن کا موقف یہ ہے کہ دراصل یہ سب کچھ آئی۔ ایم۔ ایف کی ڈکٹیشن کا نتیجہ ہے جو ہمارے اقتصادی نظام کو اپنے شکنجے میں لے چکا ہے۔ حکومت جواب میں کہتی ہے کہ تم لوگ بھی تو ماضی میں کم و بیش بائیس بار آئی۔ ایم۔ ایف کا دروازہ کھٹکھٹا چکے ہو۔ یہ جواب درست ہے۔ لیکن اپوزیشن ردعمل میں طعنہ دیتی ہے کہ ہم نے کبھی اس طرح کی سخت اور قومی خود مختاری کے منافی شرائط کے سامنے سرینڈر نہیں کیا۔ سیاستدانوں کی اس سیاست بازی کو ایک طرف رکھیے۔

یہ آئی۔ ایم۔ ایف کی ڈکٹیشن ہے یا حکومت کا اپنا سوچا سمجھا، دانشمندانہ اور قومی مفاد میں اٹھایا گیا قدم، اصل اور سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ زد عوام پر ہی پڑ رہی ہے۔ چولہا انہی کا بجھ رہا ہے۔ ادویات انہی کی پہنچ سے دور ہو رہی ہیں جن کی قیمتوں میں دو سو فیصد سے زیادہ اضافہ ہو چکا ہے۔ کہنے کو یہ عام سی بات لگتی ہے لیکن کم و بیش پاکستان کی نصف آبادی، عالمی معیار کے مطابق غربت کے اندھیروں میں جا چکی ہے۔ جب یہ دلیل دی جاتی ہے کہ ٹیکس بڑے بڑے کارخانہ داروں اور صنعت کاروں پر لگا ہے۔

17 فی صد جی۔ ایس۔ ٹی خصوصی مراعات یافتگان پر لگے گا تو اس عام سی بات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ ٹیکس کسی پر بھی لگے، اس کا بوجھ عام صارف کو ہی اٹھانا پڑتا ہے۔ صنعت کار ہو یا کارخانہ دار، تاجر ہو یا معمولی دکاندار، وہ ٹیکس یا ڈیوٹی کی ایک ایک پائی گاہک کو منتقل کر دیتا ہے۔ گاہک کی مجبوری یہ ہے کہ وہ یہ بوجھ اپنے سوا کسی اور کو نہیں دے سکتا۔ وہ اپنے مالک یا محکمے کو بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس کا بوجھ بانٹے۔ لہذا اسے سب کچھ خود ہی جھیلنا ہے۔ حکومت کی طرح وہ بھی بجٹ اور ضمنی بجٹ بناتا رہتا ہے۔ دو روٹیوں کی جگہ ایک روٹی پر گزارا تو ممکن نہیں ہوتا لیکن وہ یہ ضرور کرتا ہے کہ کپڑے نہ بناؤ، بچوں کو نئے سوئیٹر خرید کر نہ دو، ان کے یونیفارم بھی پرانے ہی چلنے دو۔ زیادہ مشکل آن پڑی ہے تو انہیں پرائیویٹ سکول سے اٹھا کر کسی سرکاری سکول میں ڈال دو، بوڑھے والدین کے علاج معالجے کی ضرورت ہے تو صرف اس مرض کی دوا کا انتظام کرو جو زیادہ تکلیف دہ ہے یقین جانیے کہ غربت کے نچلے درجے سے تعلق رکھنے والوں کی زندگی بہت اجیرن ہو چلی ہے۔ ایسی ایسی داستانیں سننے کو ملتی ہیں کہ دل دہل جاتا ہے۔ اوپر سے کوئی امید بھی دکھائی نہیں دیتی کہ صورت حال میں بہتری آئے گی۔ وزراء بتاتے ہیں کہ دنیا بھر میں مہنگائی ہے اور پاکستان سب سے سستا ملک ہے۔ چلو مان لیا کہ عالمی ادارے جھوٹ بولتے ہیں۔ مان لیا کہ ہمارے وزراء سچ کہہ رہے ہیں۔ یہ بھی تسلیم کر لیا کہ پاکستان دنیا کا سب سے بڑا سستا ملک ہے۔ لیکن اس حقیقت کو کس کھاتے میں ڈالیں کہ مہنگائی کی شرح، خطے کے تمام ممالک سے زیادہ ہے اور یہ بات کوئی اور نہیں، خود ریاست پاکستان کا محکمہ شماریات کہہ رہا ہے۔ عام آدمی کے پاس ان کاغذی اعداد و شمار یا وزراء کے بیانات یا اپوزیشن کی تنقید کو جانچنے کا صرف ایک

ہی پیمانہ ہے اور وہ ہے مارکیٹ۔ سچ یہ ہے کہ گزشتہ دو تین برس میں تمام اشیاء کی قیمتیں کئی کئی گنا بڑھ چکی ہیں۔

منی بجٹ میں غالباً یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ پٹرول اور اس کی دیگر مصنوعات کی قیمتیں تسلسل سے بڑھیں گی۔ آج ہی کے اخبارات نے خبر دی ہے کہ پٹرول کی قیمت میں 3 روپے فی لیٹر مزید اضافہ ہو گیا ہے جو 147 روپے 83 پیسے لیٹر ہو کر ایک تاریخی ریکارڈ قائم کر گیا ہے۔ پٹرول اور ڈیزل کی قیمتوں میں اضافے کا فوری اثر مارکیٹ پر پڑتا ہے۔ گویا عوام الناس کو تیار رہنا چاہیے کہ آنے والے دنوں میں ان کے لئے سکھ کے کسی سانس کی کوئی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔

مہنگائی قسم کے عذاب میں جب بے روزگاری بھی شامل ہو جائے تو جرائم میں اضافہ اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ چوریاں، ڈاکے معمول بن جاتے ہیں۔ سٹریٹ کرائمز میں اضافہ ہو جاتا ہے جو کہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ اس عذاب کی بڑی وجہ یہ بتائی جا رہی ہے کہ ہمیں فوری طور پر آئی۔ ایم۔ ایف سے ایک ارب ڈالر کی ضرورت ہے۔ معلوم نہیں ہمارا کیا بنے گا؟ یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم اس حال کو کیوں پہنچ گئے ہیں؟ ادھر یہ خبر بھی ہے کہ آئی ایم۔ ایف سٹیٹ بنک آف پاکستان پر بھی کنٹرول حاصل کرنا چاہتا ہے۔

اپوزیشن کا کہنا ہے کہ اگر کسی وقت حکومت پاکستان کی جان پر بن آئے تو بھی وہ سٹیٹ بنک سے قرض نہیں لے سکے گی۔ حکومت اس کی تردید کرتی ہے۔ خدا جانے سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا۔ لیکن ایک سچ تو اب پاکستان کے ہر شہر، ہر قصبے، ہر گلی، ہر کوچے اور ہر گھر کی دیواروں پر لکھا نظر آ رہا ہے کہ مہنگائی نے کروڑوں انسانوں کی زندگی بے حد مشکل بنا دی ہے۔

❁❁❁

غزل

دیا جیم

خود سے دست و گریبان کب تک رہے
رقص میں جسم یکجان کب تک رہے
آنکھ کی پتلیوں پہ اداسی کوئی
بعد تیرے یوں سنسان کب تک رہے
وصل کی بستیاں کب تلک ہوں الگ
ہجر ہم پہ مہربان کب تک رہے
اس کو بھی دھڑکنوں نے اشارہ دیا
دل بھی اپنا یہ نادان کب تک رہے
آنکھ سے آنکھ تک کی کئی دیر تک
گفتگو کرنا آسان کب تک رہے
زندگی کا فسانہ یہ اپنا صنم
الجھنوں کا ہی عنوان کب تک رہے
کب تلک یہ جلے گا یونہی شام کو
یہ دیا ہجر کا مان کب تک رہے

❁❁❁

غزل

شوکت احمد جرمنی

دیر ہوئی دل کی باتوں کو لفظوں میں نہ ڈھالا ہے
آج مری کاپی کا لیکن ہر اک پنا کالا ہے
ایسی بے تابی سے ہر اک لفظ قلم پر لپکا ہے
جیسے جان بچانے کا بس یہ ہی واحد آلہ ہے
چھوڑو پھر نہ یاد دلاؤ بھولی ضد کو، رہنے دو
تم کیا جانو کتنی مشکل سے اس دل کو ٹالا ہے
جتنا اس سے باہر نکلوں اتنا اور جکڑتی ہے
یاد ہے تیری یا پھر یہ کوئی مکڑی کا جالا ہے
تیرے دل میں داخل ہونا کوئی مشکل کام ہے کیا؟
دروازے میں دیمک اور اک زنگ آلود سا تالا ہے
پاس آیا تو اس کی اجنبیت نے دل دہلا ڈالا
دور سے مجھ کو لگتا تھا وہ چہرہ دیکھا بھالا ہے
ہم کو زیب نہیں دیتا ہے خوف اب اس کے ڈسنے کا
جتنے پیار سے ہم نے مارِ آستین کو پالا ہے
پرکھوں کی عزت کا بار دھرا ہے میرے کاندھوں پر
میرے نام نسب میں شوکت ان کا ایک حوالہ ہے

❁❁❁

غزل

منصورہ فضل منؔ

شب ہے تاریک، لئے آنکھ میں تارے بیٹھے
جل اٹھے دل کے دیئے ہجر کے مارے بیٹھے
اف یہ تنہائی کا احساس دلاتا ہوا شور
یوں مجھے گھیرے ہوئے کتنے ہی پیارے بیٹھے
کیسے خوش لمحہ کوئی آ کے یہاں دستک دے
غم ہیں پہرے پہ بہت میرے دوارے بیٹھے
اپنی موجوں میں سمو لیتا ہے ہر ایک سکوت
ہم بھی خاموش سمندر کے سہارے بیٹھے
بانٹنے کے لیے ساگر سے یہ غم کی لہریں
شام کے سائے میں ساحل کے کنارے بیٹھے
ایسی لفظوں میں ہو تاثیر کہ دل میں اُتریں
شعر کی نوک پلک ہم بھی سنوارے بیٹھے
مات وہ کھائی تھی منؔ نے بھی انا کے ہاتھوں
ایسے ٹوٹے ہیں کہ بس خود سے بھی ہارے بیٹھے

❁❁❁

ذہانت کی موت

تحریر: ارفع کریم

بادلوں میں لپٹی، جنوری کی ایک اداس سرد رات، چاند ستاروں کی روشنی کو گہنا رہی تھی لیکن کیا معلوم تھا کہ یہ اندھیرا زمین پر بسنے والے ایک درخشاں ستارے کو بھی نگلنے کو تیار ہے۔ اس ستارے نے دنیا بھر میں پاکستان کا نام ایسے وقت میں روشن کیا جب ارضِ پاک کو عالمی سطح پر دہشت گرد، دقیانوسی اور نجانے کن القابات سے یاد کیا جا رہا تھا۔ مگر محض نو برس کی کم عمری سب سے بڑی سوفٹ ویئر کمپنی مائیکرو سافٹ کا آئی ٹی امتحان پاس کر کے ارفع کریم، نہ صرف دنیا کی کم عمر ترین آئی ٹی پروفیشنل کہلائی بلکہ اس نے پاکستان کا نام بھی ہر سو روشن کیا۔ شاید وہ ہمیشہ سے جانتی تھی کہ اس کے پاس وقت بہت تھوڑا ہے، اسی لئے اس چھوٹی سی عمر میں وہ ایسا کارنامہ سرانجام دے گی جو ایک عام بندہ کر گزرنے میں کئی برس لگا دیتا ہے۔ محض سولہ برس کی عمر میں وہ اس دنیا کو داغِ مفارقت دے گئی مگر بے شک اس باصلاحیت، ذہین فطین اور دوسروں کے لئے مشعل پاکستانی کو دنیا ایک طویل عرصے تک یاد رکھے گی۔

ارفع کریم کا تعلق فیصل آباد کے ایک گاؤں رام دیوالی سے تھا، جبکہ اس کی پیدائش 1995ء میں ایک پاک فوج کے لیفٹیننٹ کرنل (ر) امجد کریم رندھاوا کے ہاں پیدا ہوئی۔ بچپن سے ہی پڑھائی میں بہترین ارفع کو کمپیوٹر سے خصوصی دلچسپی تھی، اس نے اپنی عمر کے دوسروں بچوں کی مانند کمپیوٹر کو محض گیمز کھیلنے یا چیٹنگ کے مقصد کے لئے استعمال نہیں کیا بلکہ اس کے سوفٹ ویئرز اور پروگرامنگ میں خصوصی دلچسپی دکھائی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے 2004ء میں مائیکروسوفٹ کی جانب سے لئے گئے ٹیسٹ میں کامیابی حاصل کی اور یوں وہ نو برس کی عمر میں مائیکروسوفٹ سرٹیفائیڈ پروفیشنل کہلائی۔ اس کی قابلیت نے دنیا کے کمپیوٹر جینیئس اور مائیکروسوفٹ کے مالک بل گیٹس کو بھی بے حد متاثر کیا اور انہوں نے ارفع کو امریکہ آکر اپنی کمپنی کے ہیڈ کوارٹر کے دورے کی دعوت دی۔ اُس کے کارنامے کی گونج عالمی میڈیا میں سنائی دی۔ 2005ء میں پاکستانی وزیر اعظم شوکت عزیز نے ارفع کی خدمات کے صلے میں اس کو سائنس و ٹیکنالوجی کے شعبے میں فاطمہ جناح گولڈ میڈل عطا کیا۔ اسی برس صدرِ پاکستان پرویز مشرف نے بھی اس مونہار کو پرائیڈ آف پرفارمنس سے نوازا جو پورے ملک کی جانب سے اس کو خراجِ تحسین تھا۔

ارفع کریم نے بین الاقوامی فورمز پر بھی پاکستان کی نمائندگی کی۔ اس کو دبئی کے آئی ٹی پروفیشنلز نے خصوصی دعوت پر دبئی بلایا جہاں اس کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ اس میں پاکستان سفیر نیبھی خصوصی طور پر شرکت کی اور صدر پاکستان کی جانب سے نیک خواہشات کا پیغام پہنچایا۔ بعد ازاں اس کو کئی میڈلز اور ٹرافی دی گئیں۔ جبکہ ارفع کریم کو خصوصی طور پر دبئی فلائنگ کلب میں طیارہ اڑانے کی دعوت دی گئی۔ اس وقت وہ محض دس برس کی تھی، اس کے نتیجے میں وہ اپنا پہلا فائیٹ سرٹیفکیٹ حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ 2006ء ارفع کریم ایک دفعہ پھر مائیکروسوفٹ کی دوت پر بارسلونا گئی جہاں اس نے ٹیک ایڈ ڈویلپمنٹ کانفرنس میں شرکت کی۔ اس کانفرنش کے 5000 شرکا میں وہ واحد پاکستانی تھی۔

2011ء میں ارفع لاہور گرائمر سکول میں اے لیولز کے دوسرے سال میں تھی جب اس کو اچانک دل کا دورہ پڑا اور وہ کومہ میں چلی گئی۔ اس کو لاہور کے کمبائنڈ ملٹری ہسپتال میں داخل کروایا گیا جہاں وہ 22 دسمبر سے زیر علاج تھی۔ ڈاکٹروں کی خصوصی ٹیم اس کے معالجین کے طور پر مقرر تھی جبکہ وہ وینٹی لیٹر پر اپنی سانسیں کاٹ رہی تھی۔ بل گیٹس نے ارفع کریم کے علاج میں خصوصی دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے امریکی ڈاکٹروں کی ایک ٹیم تشکیل دی جو ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعے اس کے علاج میں پاکستانی ڈاکٹروں کی معاونت کر رہی تھی۔ 14 جنوری کی دوپہر بل گیٹس نے ارفع کے والد کرنل رندھاوا کو فون کر کے اُس کی فوری طور پر دبئی منتقل کرنے کی ہدایت کی جہاں امریکی ڈاکٹروں کی ایک ٹیم اس کے علاج کے لئے پہنچنے والی تھی۔ مگر قسمت کو کچھ یونہی منظور تھا کہ وہ اس چھوٹی سی عمر میں اپنی قابلیتوں کی خوشبوئیں بکھیرتی اس دنیا سے رخصت ہوگئی۔ ارفع کا جنازہ لاہور کے کیولری گراؤنڈ میں ادا کی گئی جس میں وزیر اعلی پنجاب سمیت زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔ آسماں بھی اس جواں سال موت پر اشکبار تھا اور زمیں بھی اس کے لئے دعا گو تھی۔ آخر کار ارفع کریم کو اس کے آبائی گاؤں رام دیوالی فیصل آباد میں منوں مٹی تلے سپردِ خاک کر دیا گیا۔

پاکستان کے روشن مستقبل کی ضمانت اور پاکستان کا ایک چہرہ یہ بھی، جس دنیا بھر سے تحسین پائی، صبح نو کا روشن ستارہ اچانک ڈوب گیا۔ اس سے بڑا نقصان کسی ملک و قوم کا کیا ہوسکتا ہے۔ وہ قوم کی ایک ایسی بیٹی تھی جو روشن مستقبل کی اُمید تھی۔ حکومتی سطح پر ارفع کریم کے مشن کو جاری رکھنے کے لیے ٹھوس منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

❁❁❁

کہانی چنار کے درخت کی

تحریر: حمیرا علیم کوئٹہ

حورین! کیوں نہ اس بار ہم سردیوں کی چھٹیوں میں کشمیر چلیں۔ لمبے عرصہ سے میں اپنے ننھیالی رشتے داروں سے بھی نہیں ملا اور تم تو کبھی گئی ہی نہیں وہاں۔ اسی بہانے سب سے مل بھی لیں گے اور سیر بھی ہو جائے گی۔'' مصعب نے اپنی بیوی سے کہا تو حورین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔...'' اگر تم چاہتے ہو تو ٹھیک ہے چلے چلیں گے۔''

دونوں لاہور میں جاب کرتے تھے جبکہ انکے خاندان اسلام آباد میں رہتے تھے۔مصعب کا ننھیال جموں کشمیر سے تعلق رکھتا تھا۔شادی پہ کچھ رشتے دار اسلام آباد بھی آئے تھے۔مگر حورین ابھی تک کشمیر نہیں گئی تھی۔حالانکہ مصعب کے نانی اور ماموں نے بارہا اصرار بھی کیا تھا کہ وہ ان کے پاس آئیں۔مگر ویزے کی پرابلم تھی۔لیکن جب دونوں نے ارادہ کر لیا تو ویزے کا حصول بھی ممکن ہو ہی گیا۔

مصعب اور حورین نے پیکنگ کی اور بذریعہ جہاز کشمیر کیلئے روانہ ہو گئے۔شیخ العالم ائیر پورٹ سرینگر پر اس کے ماموں زاد بھائی قثم انہیں لینے کیلئے موجود تھے۔آسٹن مارٹن وِلکین دیکھ کر حورین کو اندازہ ہو گیا کہ مصعب کے ننھیال کا شمار کشمیر کے متمول گھرانوں میں ہوتا ہے۔تقریبا 40 منٹ بعد وہ راج باغ میں موجود ان کی اعلی شان رہائش گاہ پہ پہنچے تو حورین کے اندازے کی تصدیق بھی ہو گئی۔کیونکہ رہائشی عمارت بھی اہلِ خانہ کی امارت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

جب وہ گھر کے اندر پہنچے تو ان پہ پھولوں کی بوچھاڑ کر دی گئی۔مصعب کے نانا نانی ماموں خالہ اور ان کے بچے سب پھولوں کی پتیاں ان پر نچھاور کر رہے تھے۔سب سے ملنے کیبعد وہ لیونگ روم میں بیٹھ گئے اور پاکستان میں موجود رشتے داروں کے بارے میں بات چیت ہونے لگی۔کچھ دیر بعد نانی کے کہنے پہ ان دونوں کو گیسٹ روم میں پہنچا دیا گیا۔دونوں فریش ہو چکے تو انہیں کھانے کیلئے بلا لیا گیا۔ڈائننگ ٹیبل پہ بیشتر ڈشز کشمیری ہی تھیں جنہیں وازوان کہا جاتا ہے۔ان میں تقریبا بیس کے قریب چکن، مٹن اور بیف سے بنی ڈشز تھیں۔حورین کو گشتابہ، روغن جوش، آب گوش، مجی چیستن، لہابی کباب، رستہ، خمیر اور فیرنی بہت پسند آئے۔پھر کشمیری چائے کا دور چلا۔

کھانے کیبعد بزرگ تو آرام کرنے چلے گئے جبکہ ان کے کزنز نے ان کیساتھ کشمیر کی سیر کا پروگرام بنایا۔ادیم نے بتایا۔

'' سرینگر میں سب سے پہلے تو ہم حضرت بل جائیں گے پھر کہیں اور کی سیر کریں گے۔''

'' وہی جگہ جہاں نبی ﷺ کا موئے مبارک ہے؟'' حورین نے سوال کیا۔

'' ہمم او نسٹلی اسپیکنگ بھابی! مجھے یہ تو یقین نہیں کہ یہ واقعی ہی میں نبی ﷺ کا بال ہے یا نہیں۔مگر درگاہ کے ارد گرد کا ایریا بہت خوبصورت ہے۔پھر یہاں کے مشہور چنار باغ، ڈل لیک، ٹیولپ گارڈن اور آف کورس مارکیٹس۔اینڈ آئی ایم شیور بھابھی آپ ان سب سے زیادہ مارکیٹ کی وزٹ میں انٹرسٹڈ ہونگیں۔'' ادیم نے شرارت سے کہا تو ایک قہقہہ بلند ہوا۔...'' سچ تو یہ ہے ادیم بھائی کہ میں مارکیٹس سے زیادہ ڈل لیک اور چنار گارڈن میں انٹرسٹڈ ہوں۔سنا ہے کشمیر کی تاریخ میں چناروں کا بڑا اہم رول رہا ہے۔'' حورین نے کہا تو ایہا جھٹ سے بولی...'' میں آپکو ساری ہسٹری بتا سکتی ہوں بھابھی۔''

'' ایک منٹ! ذرا حوصلے سے لڑکی۔دونوں کو آرام کرنے دو کل جب یہ لوگ سیر کیلئے نکلیں گے تو تم ساتھ جا کر اپنی قابلیت کا رعب ان پر جھاڑ سکتی ہو۔'' قثم نے بہن کو ٹوکا پھر روئے سخن ان کیطرف موڑتے ہوئے بولا۔

'' دراصل میری بہن ہسٹری میں ایم فل کر رہی ہے اور اس موقعے کی تلاش میں رہتی ہے کہ کوئی اس کے ہزاروں سال پرانے قصے ذوق و شوق سے سنے۔مگر یہاں کسی کو اتنی فرصت ہی کہاں ملتی ہے۔آپ کی صورت میں اسے سامعین میسر آ رہے ہیں تو یہ کچھ زیادہ ہی ایکسائٹڈ ہو گئی ہے۔''

حورین اور مصعب مسکرا دیئے۔پھر قثم کی بیگم کے کہنے پر۔'' چلو اب سب سو جاو مہمانوں کو بھی آرام کرنے دو۔''سب اپنے اپنے کمروں میں سونے کیلئے چلے گئے۔

دوسرے دن اسپیشل کشمیری ناشتہ نون چائے، قہوہ، گردا، لاواسا مصالحہ باقرخانی، چوکیدار حریص اور شیر مال سے پیٹ بھرنے کیبعد وہ ادیم اور ایہا کیساتھ سیر کو نکلے پڑے۔

'' ہاں جی تو کہاں چلیں پہلے؟'' ادیم نے گاڑی میں بیٹھ کر سوال کیا...

'' تم میزبان ہو جہاں جی چاہے لے جاو۔'' مصعب نے کیا تو ایہا بولی۔

'' سب سے پہلے چنار باغ چلتے ہیں بھابھی کو شوق ہے نا چنار دیکھنے کا۔''

'' بھابھی کی چھوڑو اپنی کہو تمہیں شوق ہے ان پر اپنی قابلیت کا رعب جمانے کا۔'' ادیم نے اسے چھیڑا تو وہ منہ پھلا کے بولی۔

'' جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔آپ جہاں دل چاہے لے جائیں مجھے کیا۔''

اس پہ حورین نے کہا۔'' ایہا ٹھیک کہہ رہی ہے۔آج ہم چنار باغ ہی جائیں گے۔''

یوں وہ چنار باغ کیطرف روانہ ہو گئے۔باغ میں پہنچ کر حورین کو شالیمار باغ یاد آ گیا۔

'' ارے اس میں اور ہمارے لاہور کے شالیمار باغ میں کتنی مماثلت ہے نا۔بس فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں برف سے ڈھکے پہاڑ اور جھیل بھی ہے جبکہ لاہور میں یہ سب نہیں ہے۔'' حورین کے کہنے پہ ایہا نے بتایا۔

'' وہ اس لئے بھابی کہ یہ باغ بھی مغلوں کا ہی لگایا ہوا ہے۔1586 میں جب اکبر بادشاہ یہاں آیا تو تقریبا 1200 پودے حضرت بل کے نزدیکی علاقے میں لگائے۔''

ادیم نے مصعب سے کہا" لو جی یہ تو شروع ہوگئی ہے اور اب ساری تاریخ بتاتی کر ہی دم لے گی۔تم چلو میرے ساتھ ہم ذرا ہوا خوری کر آتے ہیں۔" مصعب اور وہ آگے بڑھ گئے جبکہ ایبہا حورین کیساتھ ایک بینچ پر بیٹھ گئی۔اور اسے بتانے لگی۔

" کشمیری میں چنار کو بوین کہتے ہیں۔کہا جاتا ہے کہ کشمیر میں ہندو دیوی بھوانی کی پوجا کی جاتی تھی۔اسی سے یہ لفظ نکلا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہندو اس درخت کو مقدس مانتے ہیں اور یہاں ان کے کئی مندر بھی ہیں۔1970 تک یہاں تقریبا42000 چنار کے درخت تھے۔کشمیری سیاست،مذہب،ادب اور تاریخ میں اس درخت کو اہم مقام حاصل ہے۔اس کی خوبصورتی بہار یا گرمی کے موسم میں نہیں بلکہ سردی اور خزاں میں دیکھنے لائق ہوتی ہے۔آپ سرینگر میں گھومیں گی تو دیکھیں گی کہ اس کے پتوں کے کتنے خوبصورت رنگ ہیں سرخ، نارنجی اور پیلا۔جب اس کے پتے گرنے شروع ہوتے ہیں تو ہم سمجھ جاتے ہیں کہ موسم تبدیل ہوگیا ہے اور سردی کی آمد ہو چکی ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہاں کا سب سے قدیم چنار 700 سال پرانا ہے۔جسے سید قاسم شاہ نے چٹر گرام میں لگایا تھا یہ درخت 14۔7 میٹر بلند ہے۔

آپکو معلوم ہے خواتین میں یہ درخت اس لئے مقبول ہے کہ وہ یہ سمجھتی ہیں کہ اس کی وجہ سے دعائیں قبول ہوتی ہیں اور انکے غم و تکالیف کم ہوجاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ یہاں کی دو مشہور درگاہوں حضرت بل اور سلطان العارفین کے مزار پر خصوصاً چنار کے درخت لگائے گئے ہیں۔" ...حورین نے ارد گرد نظر ڈالی تو اسے کچھ خواتین درختوں تلے بیٹھی نظر آئیں۔

" جب سردی ہوتی ہے تو لوگ اس کے پتے ان کانگڑیوں میں جلاتے ہیں جو وہ گرمائش کیلئے ساتھ رکھتے ہیں"... " یہ کانگڑی کیا ہوتی ہے؟" حورین کے سوال پر ایبہا نے بتایا..." سرینگر میں بہت ٹھنڈ ہوتی ہے تو ہم لوگ ایک چھوٹی سی انگیٹھی تنکوں کی ٹوکری میں رکھ کر اپنے لباس میں رکھ لیتے ہیں جس کی گرمائش سے ہمارے جسم کو حرارت ملتی رہتی ہے۔اسی انگیٹھی کو کانگڑی کہتے ہیں۔"..." ہاں یاد آیا میں نے ٹی وی پہ اس کے بارے میں ایک رپورٹ دیکھی تھی۔" حورین نے بتایا۔

" آپکو پتہ ہے چنار نہ صرف ہمارے ہاں مقبول ہے بلکہ کئی سیاستدان بھی اس کے عشق میں مبتلا تھے اندرا گاندھی اپنے قتل سے کچھ عرصہ پہلے یہاں آئی تھیں کیونکہ وہ خزاں کے موسم میں چناروں کے سحر میں مبتلا تھیں اور اکثر یہاں آتی تھیں۔سابقہ سی ایم محمد عبداللہ نے اپنی آپ بیتی کا نام بھی" آتش چنار" رکھا تھا۔نہرو کے ایک مشیر،جو چانکیہ کے نام سے مشہور تھے، مکھن لال فتح دار نے بھی اپنی یادداشت کا نام" دی چنار لیوز" رکھا تھا۔اور چھوڑیں ہمارے تو فیشن ڈیزائنر بھی اس کے دیوانے ہیں۔ہمارے مشہور فیشن ڈیزائنر زبیر کرمانی نے اپنے برانڈ کا نام" بوین پین" یعنی چنار کے پتے رکھا ہے۔

یہ درخت سالوں سے ہماری سیاسی اور عسکری جدوجہد کا گواہ بھی ہے۔" ایبہا نے اداس لہجے میں کہا..." 1990 میں جب انڈین آرمی نے ریاست پہ دھاوا بولا تھا تو مجاہدین نے انہیں چناروں میں پناہ لی تھی۔ان کے کھوکھلے تنے اتنے بڑے تھے کہ اسلحہ اور مجاہدین کے مورچے بن گئے۔رائٹس ایکٹوسٹ خرم پرویز کہتے ہیں۔

" اب چنار ریاست میں موجود لاتعداد گمنام قبروں پہ سایہ فگن ہیں۔"

سرینگر سے کوئی 50 میل دور بارہ مولا بیمیار میں ایک قبرستان چناروں میں گھرا ہوا ہے۔اس قبرستان میں بیشمار خواب اور تکالیف دفن ہے۔یہاں بہت سی اجتماعی اور گمنام قبریں ہیں۔230 سے زائد گمنام لوگ یہاں دفن ہیں جن میں ایک چھ ماہ کی بچی بھی شامل ہے۔" ایبہا بیحد غمزدہ دکھائی دے رہی تھی۔حورین نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیکر ہولے سے دبایا تو وہ آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے کہنے لگی۔

" ارے میں نے آپکو بھی اداس کر دیا۔اچھا تو میں آپکو بتا رہی تھی کہ ہمارے ہاں چنار کاٹنے پر پابندی ہے اسی لئے آپکو نہ صرف باغوں میں یادگاہوں میں بلکہ کالجز یونیورسٹیز،سڑکوں اور گھروں میں بھی چنار ہی چنار نظر آئیں گے۔اور انہی کی بدولت سائبریا اور رشیا سے ہجرت کرنے والے پرندوں کی بھی بھرمار ہے یہاں۔اب ذرا رومانٹک پہلو بھی اجاگر کر دوں انکا" ایبہا کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

" سرینگر کے نسیم باغ میں تقریبا سو چنار ہیں اور یہ عاشقوں کی جنت ہے۔بہت سے کپلز اس جگہ کی خوبصورتی کو اپنے کیمرا میں محفوظ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔سوشل میڈیا خاص طور پر فیس بک اور ٹوئٹر پہ ہزاروں کی تعداد میں ایسی تصاویر ہیں جن میں جوان اور عمر رسیدہ لوگ چناروں کے جھرمٹ میں کھڑے ہیں۔

اور تو اور ان کی روحانی تاثیر بھی ہے۔شری مہاراجہ ہری سنگھ ہاسپٹل کے ایک ماہر نفسیات ڈاکٹر ارشد حسین کہتے ہیں۔" ان چناروں کے رنگ انسانی دماغ پہ خوشگوار اثرات ڈالتے ہیں اور انہیں خوشگوار ایکٹیویٹیز پہ آمادہ کرتے ہیں۔"... اس طرح یہ موسم خزاں کے ساتھ وابستہ موسمی ناامیدی اور ڈپریشن سے نبرد آزما ہونے میں بھی مدد دیتے ہیں۔خصوصا ان کشمیریوں کیلئے جن کی زندگیاں پچھلے پچیس سالوں سے تشدد کی وجہ سے تباہ ہو چکی ہیں۔درحقیقت کشمیری علیحدگی پسند علامہ اقبال کے ان اشعار سے موٹیویشن لیتے ہیں جو چنار سے متاثر ہو کر کہے گئے تھے۔...

جس خاک کے ضمیر میں ہے آتش چنار
ممکن نہیں کہ سرد ہو وہ خاک ارجمند

اتنے میں مصعب اور ادیم واپس آ گئے ادیم نے آتے ہی ایبہا کو پھر تنگ کیا..." تم ابھی تک بھابھی کا دماغ چاٹ رہی ہو وہ بھی کیا سوچتی ہونگی کہاں پھنس گئی ہوں میں۔ان پر رحم کرو اور کچھ پیٹ پوجا کا بھی موقعہ دو انہیں۔" اس پر ایبہا نے چونک کر اسے دیکھا۔

" ہائے اللہ! بھابھی آپکو بھوک تو نہیں لگی آپ نے صبح ناشتہ بھی تھوڑا سا ہی کیا تھا۔چلیں ادیم بھائی کاسل سے کھانا کھلاتے ہیں ان کو۔سچ میں مزہ آجائیگا آپ دونوں کو۔" یہ کہہ کر وہ پر جوش انداز میں اٹھ کر چل دی مصعب حورین اور ادیم بھی مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے چل دیئے۔حورین نے اداسی سے چناروں کیطرف دیکھا اور سوچا۔

" نجانے اور کتنا عرصہ یہ چنار ایسے ہی جلتے رہیں گے۔نجانے کب کشمیری ان کی چھاؤں تلے سکون سے زندگی گزار سکیں گے۔"

❁❁❁

بچوں کی نگہداشت، حفاظت اور تربیت

تحریر: فوزیہ منصور

کوئی اور تو نہیں ہے پس خنجر آزمائی
ہمیں قتل ہو رہے ہیں، ہمیں قتل کر رہے ہیں

موجودہ ترقی یافتہ دور میں یوں لگتا ہے نئی نسل آگے آگے ہے اور ان کے والدین پیچھے پیچھے۔ سوشل میڈیا نے چھوٹی عمر میں بڑی معلومات فراہم کر دیں۔ معصوم ذہنوں کو وہ کچھ سمجھا دیا جو کسی زمانے میں خواتین کو چھپ کر ناول پڑھ کر بھی سمجھ نہیں آتا تھا۔ کتاب اب عموماً گھروں میں شلف میں سجانے کے لئے رکھی جاتی ہے۔ یا شاید اس لئے بھی کہ مہمانوں پر ہماری قابلیت کا رعب پڑے۔

خیر یہ ایک الگ اور اہم موضوع ہے اس پر پھر کبھی بات ہو گی۔ ابھی اس دور میں بچوں کی نگہداشت، حفاظت اور تربیت پر بات کرتے ہیں۔ کیونکہ پھر یہی بچے بڑے ہوں گے اور ہماری جگہ لیں گے۔ کیا نیٹ سے جڑے بچوں کی سوچ ہمارے خیالات سے مختلف ہو گی؟ کیا ان بچوں میں محبت، عبادت، حیا اور ادب واحترام قائم رہے گا؟ کیا ہم ان کے ساتھ چل پائیں گے یا یہ ہمارے ساتھ چلنے میں دشواری اور شرم محسوس کریں گے؟

کبھی تنہائی میں بیٹھ کر آنے والے کل کو دماغ کی سکرین پر سرچ کر کے دیکھیئے گا۔ اس گمان میں نہ رہیں کہ ہمارے بچے تو پل گئے ہمیں کیا فکر، ابھی آگے ان کے بچے ہیں یا ہوں گے۔ وہ آپ ہی کی نسل ہیں۔ اور یہ بچے ہی ہمارا اصل سرمایہ ہے جو بری طرح ضائع ہو رہا ہے۔۔ کیوں؟ اس کا جواب مشکل تو نہیں۔ ہر ایک کے پاس اس " کیوں" کا جواب ہے۔ ہر ایک اپنی کمزوریوں اور خامیوں سے واقف ہے۔ ہم چھوٹے بچے کو بھی قریب دکان سے چیز لینے بھیج دیتے ہیں۔۔ جی ہاں کوئی مجبوری ہو گی تو بچے کو بھیجنا پڑا۔۔ مگر وہ بچی یا بچا دکاندار کا نہیں اور پرائی چیز وہ بھی مفت کی ہو تو کم ظرفوں کی رال ٹپکنے لگتی ہے۔۔ یہاں میں کہنا چاہوں گی کہ ایسی مائیں قصوروار ہیں جو بچوں کو یوں تنہا بلا ضرورت باہر جانے دیتی ہیں۔ آج کی ماں کم علم ہو گی کم عقل نہیں۔۔ وہ بھی ٹی وی دیکھتی ہے۔ نیٹ استعمال کرتی ہے۔ وہ باخبر ہے کہ روز کتنے ریپ ہوتے ہیں۔ کتنے لوگ قتل ہوتے ہیں کتنے اغواء کے کیس سننے کو ملتے ہیں۔ اغواء صرف بچے نہیں ہو رہے بلکہ جوان مرد اور خواتین بھی شامل ہیں۔ ہمارے معاشرے میں یہ سب اتنا عام ہو چکا کہ روز ٹی وی اور نیٹ ایسی دل دہلانے والی خبروں سے بھرا ہوا ہے۔ مگر ہماری خواتین پھر بھی لاپرواہیں۔ جوان بچیوں کو اکیلے اسکول کالج اور بازار بھیج دیتی ہیں۔ جبکہ پرس چھیننے اور دوپٹہ برقعہ کھینچنے کے واقعات عام ہیں۔ پاکستانی معاشرے میں پاکستانی بن کر رہنے کے بجائے اگر یورپین اسٹائل اپنائیں گی۔ تو نگاہیں بے قابو ہوں گی۔ دل معمول سے زیادہ دھڑکیں گے۔ کیونکہ ہمارے مردوں نے نگاہ تو نیچی رکھنی نہیں، ویسے بھی عقل، سمجھ اور اصلاحی گفتگو صرف کتابی باتیں لگتی ہیں۔ یقیناً ہماری خواتین باشعور اور عقلمند ہیں۔ مگر یہ بھی یاد رکھیے کہ شیطان موقع پاتے ہی ہمیں راستے سے بھٹکا سکتا ہے۔ پھر وہ راستہ چاہے دینی ہو یا دنیاوی۔ وہ حاوی ہو سکتا ہے۔ رب کائنات نے اسی لئے فرمایا" کہ بہن بھائی بھی کمرہ بند کر کے نہ بیٹھیں۔" بہن بھائی جیسے پاکیزہ رشتے پر ایسا فرمان ہے تو عقل یہیں پر سب سمجھا دیتی ہے۔

یہ اور بات ہے کہ ہم اپنی غفلتوں اور کوتاہیوں کو پس پشت ڈال کر دوسروں پر انگلی اٹھانے میں ماہر ہیں۔ شیطان کو خود موقع فراہم کر کے خدا کے راستے سے بھٹک جانا عقلمندی نہیں۔۔ ہم کتنی ہی نصیحتیں کر لیں، لیکچر دے لیں، کاغذ بھر لیں بات میں اثر اس وقت ہو گا جب قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔ ہمارا کردار، اخلاق ہماری بات کی گواہی دے۔ یہ سچ ہے کہ بہت سی برائیاں ہمارے اچھے اخلاق و کردار سے ہی آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہیں۔۔ اپنے عہدے، اپنی کرسی سے انصاف کرنا آپ کا کام ہے۔ جس مقصد کے لئے آپ کو چنا گیا اگر وہی مقصد دل و دماغ سے نکل جائے تو محض خود غرضی، خود پسندی اور خود نمائی کا احساس باقی رہ جائے گا۔ جو آہستہ آہستہ تکبر اور بے حسی کو جنم دے گا۔ یہ وہ اندرونی بیماریاں ہیں جو انسان کو دیمک کی طرح چاٹ لیتی ہیں۔ اونچے تعلقات، قیمتی تحائف وقتی تسکین تو دے سکتے ہیں۔ دائمی خوشیاں نہیں۔ اور نہ ہی یہ خدا تک رسائی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

کہا گیا ہے۔" کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھو" پر آج کا انسان اس کے برعکس چل رہا ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ اس دوڑ میں سب ہی شامل ہیں۔ اور دعا ہے کوئی ایک بھی اس دوڑ میں شامل نہ ہو۔ مگر کچھ تلخ حقائق سے منہ نہیں موڑا جاتا۔۔ بات سے بات نکلتی رہے گی۔ موضوع بہت وسیع ہے۔ کیونکہ جب تربیت کی بات آتی ہے تو اس کے دروازے زندگی کی کئی گلیوں میں کھلتے ہیں۔۔ یہ آپ پر منحصر ہے کہ کس دروازے پر کس طرح دستک دینی ہے۔ اور اپنی اولاد کو کسی طرح صحیح راستے پر چلانا ہے۔

کوئی یہ گمان نہ کرے کہ اس ساری گفتگو میں عورت نشانے پر ہے۔ ہرگز نہیں۔ مرد کو خدا نے گھر کا سربراہ کہا ہے۔ اور سربراہ پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ میر کارواں ہی بھٹک گیا تو کارواں کا کیا ہو گا۔۔۔ یہاں ایک بات کہنا چاہوں گی کہ ہم ماں کی حیثیت سے بچی کو ہی آنے والی زندگی کے نشیب و فراز، آداب سسرال اور شریک حیات کی اہمیت سمجھاتے ہیں۔ بیٹوں پر اس بارے میں وہ توجہ

نہیں دی جاتی۔ کیوں؟ آخر لڑکوں نے بھی کسی کا شوہر بنا ہے۔۔ مرد کو مجازی خدا کہا گیا۔ مگر بعض مردوں نے اس خوبصورت لفظ میں سے "مجازی" ہٹا دیا۔ اگر مرد باوفا، باحیا اور باکردار نہیں ہو گا تو یقیناً وہ گھر خانہ جنگی اور بے حسی کی تصویر ہو گا۔ ایسے گھر، گھر نہیں رہتے صرف مکان رہ جاتے ہیں۔ عورت اولاد پر گھر کے اندر توجہ دے سکتی ہے بچہ باہر کیا کرتا کہاں جاتا کس سے ملتا دوست احباب کون ہیں ان سب پر باپ کی نظر ہونی چاہیئے۔ صرف پیسہ کمانا ہی ضروری نہیں۔ جو اصل دولت خدا نے اولاد کی شکل میں دی اس کی تعلیم و تربیت، حفاظت اور دین سے وابستہ رکھنا والدین کا فرض ہے۔ یہاں یہ بھی کہنا چاہوں گی کہ والدین بھی انسان ہیں۔ خود اپنی تربیت اور دعا کو بھی مدنظر رکھنا ہو گا۔ خود کو بھی ضمیر کی عدالت میں گاہے بگاہے کھڑا کرنا ہو گا۔ کیونکہ ضمیر زندہ رہے گا تو رشتے، تعلقات میں محبت، عقیدت، حیا اور وفا مریں گی نہیں۔ ہر انسان کو زندگی کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے اپنے آپ کو ٹٹولتے رہنا چاہیئے۔ تاکہ ہم اپنی اصلاح کرتے ہوئے اپنی نسلوں کو سیدھے راستے پر چلانے کی بھرپور کوشش کرسکیں۔

اصلاح کا اصل مرکز قرآن کریم ہے۔ صرف اسی کا ترجمہ اور تفسیر پڑھ لیں تو زندگی کے کئی حقائق اور مسائل کی گہرائی سمجھ آنے لگتی ہے۔ یہاں مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں۔ کہ ہم میں سے بہت سے باشعور، باعلم افراد نہایت کمزور ایمان کے مالک ہیں۔ ذرا ذرا سی بات اور چھوٹی سی آزمائش سے ان کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ کیوں؟ اس کا جواب بھی دعا کے ساتھ تنہائی میں اپنے آپ سے کریں۔ کیا اس کمزور ایمان کے ساتھ مسلمان کہلانے کے قابل ہیں؟ کیا بھوک پیاس، کسی کا کردار مزاج، اخلاق اور رویہ ہمارے ایمان کو متزلزل کرسکتا ہے؟ اگر اس کا جواب ہاں میں ہے اور زندگی میں کسی بھی مقام پر ایسی سوچ نے دل و دماغ پر دستک دی ہے تو خدا کی قسم ہم دل سے مسلمان ہیں ہی نہیں۔ بس ایک پاکیزہ لبادہ اوڑھ کر دوسروں کی نظروں سے خود کو بچا رکھا ہے۔ اور اسے مجبوری کی نام دیا جاتا ہے۔

مگر آپ جتنے بھی لبادے اوڑھ لیں۔ خدا کی نظر سے نہیں چھپ سکتے۔ آپ اس سے کئے گئے عہد کو بھلا سکتے ہیں لیکن وہ اپنے سے کیا گیا عہد کبھی نہیں بھولتا۔۔ کبھی نہیں۔

❁❁❁

آبگینے خواتین ڈائجسٹ

سپریم کورٹ کی پہلی خاتون جج

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی عہدے پر تعیناتی اہلیت کی بنیاد پر ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہیے، صنفی امتیاز کسی بھی صورت روا نہیں رکھا جانا چاہیے۔ جوڈیشل کمیشن کا کثرت رائے سے لاہور ہائی کورٹ کی جسٹس عائشہ ملک کو سپریم کورٹ میں بطور جسٹس مقرر کرنے کی منظوری دینا ایک احسن عمل ہی قرار پائے گا کہ اس سے اعلیٰ عدلیہ میں خواتین کی نمائندگی ہو گی۔ جسٹس عائشہ ملک ملکی تاریخ میں عدالت عظمیٰ کی پہلی خاتون جسٹس ہوں گی۔ چیف جسٹس گلزار احمد کی سربراہی میں سپریم جوڈیشل کمیشن کا اجلاس ہوا جس میں لاہور ہائی کورٹ کی جسٹس عائشہ ملک کی سپریم کورٹ میں تقرری کے معاملے پر غور کیا گیا۔ ایک انگریزی معاصر کے مطابق جوڈیشل کمیشن نے جسٹس عائشہ ملک کے نام کی سفارش کر دی اور معاملہ حتمی منظوری کیلئے پارلیمانی کمیٹی برائے ججز تقرری کو بھیج دیا ہے۔ جوڈیشل کمیشن کے 5 اراکین نے ان کے حق میں ووٹ دیا اور 4 اراکین نے مخالفت کی۔ یاد رہے کہ جسٹس عائشہ ملک کی تعیناتی میں سینیارٹی کے حوالے سے ایک تنازع نے بھی جنم لیا اور وکلا نے احتجاجی ہڑتال تک کی دھمکی تک دے ڈالی لیکن سوال یہ ہے کہ اگر آئین میں ایسی کوئی قدغن نہیں اور سپریم کورٹ کی تاریخ میں چالیس کے قریب ایسی مثالیں موجود ہیں جس میں ججوں کو سینیارٹی کی بنیاد پر سپریم کورٹ میں جج تعینات نہیں کیا گیا تو پھر معاملات کو الجھانے کی کیا منطق ہے، سوال یہ بھی ہے کہ جسٹس فخر النسا کھوکھر کو سینئر موسٹ ہونے کے باوجود لاہور ہائی کورٹ کا چیف جسٹس تعینات نہیں کیا گیا تھا؟ بعض قانونی ماہرین کے مطابق ہائیکورٹ سے سپریم کورٹ میں تعیناتی پروموشن نہیں بلکہ نئی تعیناتی تصور کی جاتی ہے۔ جسٹس عائشہ ملک کی مذکورہ تعیناتی ایک مثبت روایت ہے کہ معمول سے ہٹ کر بہت سی خواتین نے وکالت کے شعبے میں قدم رکھا ہے ایسی مثال ان کی ہمت افزائی کا باعث بنے گی۔

(بشکریہ جنگ پاکستان)

❁❁❁

کیا ماں باپ کا کوئی لاڈلا بچہ ہوتا ہے؟

وہ راز جسے والدین سینے میں چھپائے رکھتے ہیں

کیا آپ کے گھر میں کبھی یہ بحث ہوئی کہ ماں باپ کا لاڈلا بچہ کون ہے؟ یا پھر یہ سوال اٹھا ہو کہ کس بچے کو زیادہ توجہ دی جاتی ہے؟

یہ ایک ایسا سوال ہے جو کسی نہ کسی شکل میں تقریباً ہر اس گھر میں موجود ہوتا ہے جہاں بچوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہو۔ کس کو زیادہ پیار ملتا ہے؟ کون ماں کی آنکھوں کا تارہ ہے؟ باپ کس کی ضد پوری کرتا ہے اور غصہ کس کے حصے میں آتا ہے؟

اسی سے جڑا ایک اور سوال بھی ہے۔ کیا گھر کا بڑا بچہ لاڈلا ہوتا ہے یا چھوٹا؟ فارسی کی ایک کہاوت ہے کہ سگ باش، برادرِ خورد مباش یعنی کتا بن جا لیکن چھوٹا بھائی مت بن۔ اس کہاوت کی وجہ تسمیہ غالباً چھوٹوں کی یہ شکایت ہوگی کہ ہر کوئی انھی پر حکم چلاتا ہے۔ لیکن بڑوں کی اپنی شکایات ہیں اور منجھلوں کے اپنے مسائل۔

عام تاثر یہ ہے کہ بڑے سب کچھ منوا لیتے ہیں لیکن ان پر ذمہ داری بھی زیادہ ہوتی ہے۔ چھوٹوں کے حصے میں پیار زیادہ آتا ہے تو انھیں اس کا حساب بھی اسی طرح فرمانبرداری کر کے چکانا پڑتا ہے۔ جب کہ منجھلے سمجھتے ہیں کہ وہ خاندان کا ایسا پسا ہوا طبقہ ہیں جن کو نہ تو وہ توجہ ملتی ہے جو پہلے بچے کے نصیب میں آتی ہے اور نہ ہی وہ پیار جو چھوٹوں کو بن مانگے ہی وصول ہو جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس رجحان کے پیچھے چھپی کوئی سائنسی وجوہات بھی ہیں؟ کیا ماں باپ اپنے بچوں میں فرق کرتے ہیں؟ اس کا سادہ جواب ہاں میں ہے۔ لیکن اس کی وجوہات کیا ہیں، یہ ایک دلچسپ معاملہ ہے۔

کیا والدین بچوں میں فرق کرتے ہیں؟

اس سوال کا درست اور سچا جواب دینا ہر کسی کے لیے آسان نہیں ہوتا۔ بچوں کی ناراضگی کا خوف ایک طرف، والدین اکثر یہ ماننے سے انکار ہی کر دیتے ہیں کہ وہ کسی ایک کو دوسرے سے زیادہ توجہ دیتے ہیں۔

لیکن ایسا ہوتا ہے۔ سارہ (فرضی نام) کے دو بچے ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ انہیں دوسرے بچے کی پیدائش پر ہی محسوس ہو گیا تھا کہ وہ ہی ان کو زیادہ پیارا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ مجھے دونوں سے ہی پیار ہے لیکن چھوٹے میں کچھ ایسی بات ہے جو بڑے میں نہیں۔

اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ سارہ کے خیال میں پہلے بچے کی پیدائش پر ہی اس کی صحت کی خرابی کے باعث اسے ان سے لے لیا گیا تھا اور 24 گھنٹوں تک وہ اسے دیکھ ہی نہیں پائی تھیں۔ ’شاید یہی وہ وقت ہوتا ہے جب ماں کے دل میں بچے کے لیے جذبات پنپتے ہیں جو دوسرے بچے کی پیدائش پر ممکن ہوا۔‘

اب جب ان کے بچے بڑے ہو چکے ہیں تو کیا صورت حال ہے؟ سارہ کہتی ہیں کہ اگر میں اپنے چھوٹے بیٹے کو رات کے دو بجے بھی فون کروں تو وہ جہاں ہو دوڑا چلا آتا ہے۔ ’وہ شائستہ، دوستانہ، ملنسار طبیعت کا ایسا شخص ہے جو کسی بھی وقت کسی کی بھی مدد کے لیے تیار ہوتا ہے۔ لیکن بڑے بیٹے سے تو ملنے کے لیے بھی اس سے وقت مانگنا پڑتا ہے۔‘

سارہ کے مطابق کئی سال وہ اس تذبذب کا شکار رہیں کہ بچوں میں فرق کرنا درست ہے بھی یا نہیں؟ لیکن وہ کہتی ہیں کہ ’اب میں اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتی۔ یہ مشکل تھا لیکن مجھے کوئی احساس جرم نہیں۔ موقع ملے تو میں اس پر ایک کتاب لکھ سکتی ہوں کہ میں ایک بچے کو دوسرے سے زیادہ پیار کیوں کرتی ہوں۔‘

سارہ کا معاملہ ذرا منفرد اس لیے ہے کیوں کہ زیادہ تر والدین اس موضوع پر بات نہیں کرتے حالانکہ ڈھکے چھپے طریقے سے وہ بچوں میں فرق ضرور کرتے ہیں۔ اور یہ بات اب تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ زیادہ تر والدین کا کوئی نہ کوئی فیورٹ بچہ ضرور ہوتا ہے۔

والدین خصوصاً مائیں کیوں ایک اولاد سے زیادہ پیار کرتی ہیں؟

اس بات کے کئی شواہد ہیں کہ اگر بچوں میں سے کسی کو یہ لگے کہ وہ پسندیدہ نہیں تو اس کے اثرات بچے کی شخصیت پر پڑتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ بچوں میں لڑائی کی وجہ بھی بنتی ہے۔ اس لیے یہ حیران کن نہیں کہ اکثر والدین کوشش کرتے ہیں کہ

بچوں پر یہ ظاہر نہ ہو کہ ان کو کون زیادہ پیارا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جہاں والدین بچوں میں فرق کرتے ہیں وہیں بچوں کو اس بات کا علم نہیں ہو پاتا۔ ایسے میں سوال اٹھتا ہے کہ والدین کس طرح سے بچوں میں فرق کے احساس کا خیال رکھتے ہیں؟

ماریہ ایک ماہر نفسیات ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ سب والدین نہیں، لیکن زیادہ تر کا کوئی نہ کوئی فیورٹ بچہ ہوتا ہے۔ 'تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ مائیں خاص طور پر ایسے بچوں کو زیادہ پیار کرتی ہیں جس کی اقدار ان سے ملتی ہوں اور جو خاندان کو اپنے کام اور اپنی خواہشات پر فوقیت دے۔'

وجوہات جو بھی ہوں، کئی تحقیقات ایسی ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ والدین مانیں یا نہ مانیں، ان کا کوئی نہ کوئی فیورٹ بچہ ضرور ہوتا ہے۔ ایک ایسی ہی تحقیق میں برطانیہ میں 74 فیصد ماؤں اور 70 فیصد باپوں نے ایک اولاد کی طرف زیادہ رجحان دکھایا۔

لیکن والدین اس کا اقرار نہیں کرتے۔ ایک اور تحقیق میں جب والدین سے یہی سوال کیا گیا تو صرف 10 فیصد نے اقرار کیا کہ ہاں ان کا ایک بچہ فیورٹ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ والدین کے لیے یہ ایک ایسا خاندانی راز ہے جسے وہ سینے میں چھپائے رکھنا چاہتے ہیں۔

چھوٹے بچے والدین کے فیورٹ

ایسے کیسز میں جہاں والدین نے بچوں میں تفریق کا اقرار کیا، یہ پتہ چلا کہ اس کا تعلق بچوں کی پیدائش کی ترتیب سے بھی ہے۔ ایک سروے کے مطابق زیادہ تر والدین نے سب سے چھوٹے بچے کو پسندیدہ ترین قرار دیا۔

دو اولادوں والے تقریباً 62 فیصد نے اقرار کیا کہ ان کا سب سے چھوٹا بچہ انھیں سب سے پیارا ہے۔ ایسے والدین جن کے تین یا زیادہ بچے تھے، ان میں سے 43 فیصد نے بھی سب سے آخر میں پیدا ہونے والے کو سب سے لاڈلا قرار دیا۔ جب کہ ایک تہائی نے درمیانے اور صرف 19 فیصد نے بڑے کو فیورٹ مانا۔

ڈاکٹر وجیتی سنھ نیو یارک کے ماؤنٹ سینائی ہسپتال میں کلینیکل سائیکالوجسٹ ہیں۔ بی بی سی سے بات کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ بچوں میں فرق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ شروع میں ماں باپ ناتجربہ کار ہوتے ہیں اور وقت کے ساتھ ان کی بھی تربیت ہوتی ہے کہ بچے کا خیال کیسے رکھنا ہے، کیسے اس میں اچھی عادات منتقل کی جا سکتی ہیں۔

وہ کہتی ہیں کہ والدین زیادہ تر ایسے بچے کو زیادہ پیار کرتے ہوں جس میں انھیں اپنی مشابہت نظر آتی ہو یا جو ان کے خیال میں بطور والدین ان کی کامیابی کا ثبوت ہو۔ 'سب سے چھوٹے بچے وہ ہوتے ہیں جن کی پیدائش کے وقت تک والدین کو تجربہ بھی مل چکا ہوتا ہے اور وہ زیادہ پر اعتماد بھی ہوتے ہیں۔'

کیا بچوں میں فرق کرنا نقصان دہ ہے؟

زیادہ تر ایسے والدین جنھیں اپنا ایک بچہ زیادہ پیارا ہوتا ہے ایک احساس جرم میں مبتلا رہتے ہیں۔ انھیں یہ خیال تنگ کرتا رہتا ہے کہ کہیں ان کے جذبات کی وجہ سے بچے کی خود اعتمادی اور اس کی شخصیت کو نقصان نہ ہو۔

ڈاکٹر وجیتی کہتی ہے کہ ایسا ہو بھی سکتا ہے۔ ایسے بچے جنھیں یہ محسوس ہو کہ انھیں زیادہ توجہ نہیں دی جا رہی وہ احساس کمتری کا شکار ہو سکتے ہیں۔ 'ان میں یہ خیال مضبوط ہو سکتا ہے کہ وہ تو پیار کرنے کے لائق نہیں ہیں یا ان میں کوئی ایسی بات ہی نہیں کہ دوسرے ان سے پیار کریں۔'

'اس خیال سے خوف اور عدم تحفظ جنم لے سکتا ہے جس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکل سکتا ہے کہ ایسے بچے اپنے ارد گرد موجود لوگوں سے زیادہ ہی گھلنے ملنے کی کوشش کریں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا بچہ ایک خول میں چلا جائے۔'

مثبت بات یہ ہے کہ ان خدشات کے باوجود شواہد اور تحقیق کے مطابق جب تک والدین کا بچوں سے برتاؤ میں فرق بہت واضح نہ ہو، زیادہ تر بچوں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ماں باپ کے لیے وہ کم پسندیدہ ہیں۔

بلکہ زیادہ تر بچوں کو تو کبھی یہ علم ہی نہیں ہوتا کہ ان کے والدین کس کو زیادہ ترجیح اور پیار دے رہے ہیں۔ ایک ایسی ہی تحقیق میں جب یہ سوال کیا گیا کہ والدین کا فیورٹ کون ہے تو پانچ میں سے چار کے تناسب سے جواب ملا کہ وہ نہیں بلکہ دوسرا ہے۔ ایسی ہی ایک تحقیق میں 60 فیصد بچوں نے خاندان میں فیورٹ کا غلط اندازہ لگایا۔

وہ راز جسے والدین کامیابی سے چھپائے رکھتے ہیں

ماریہ کہتی ہیں کہ زیادہ تر بچے یہ فرض کر لیتے ہیں کہ سب سے بڑا یا پھر سب سے چھوٹا ہی والدین کا فیورٹ ہے یا پھر وہ بچہ جو سب سے کامیاب ہے اور ماں باپ کو زیادہ تنگ نہیں کرتا۔

دوسری طرف والدین کے لیے وجوہات بلکل مختلف ہوتی ہیں۔ جیسا کہ کون سے بچہ ہے جسے زیادہ مشکلات کا سامنا ہے یا کون سا بچہ ان سے زیادہ ملتا جلتا ہے۔

تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ ماں باپ کو کون زیادہ پسند ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور یہ صرف خاندان اور گھر میں ہونے والی ہلکی پھلکی نوک جھوک کا حصہ ہے؟ ماریہ کہتی ہیں کہ ان کے اپنے بچے بھی ہر وقت یہ مذاق کرتے رہتے ہیں کہ کون زیادہ فیورٹ ہے۔

ماریہ کہتی ہیں کہ ایسا ممکن ہے کہ کسی دن مجھے کسی ایک بچے پر زیادہ پیار آئے جس کی کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے۔ لیکن اہم بات جسے یاد رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ فیورٹ ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ والدین باقی بچوں سے کم پیار کرتے ہیں۔

❀❀❀

انبیاء کرام کی باتیں

ہمارے بچوں کو بچپن ہی سے انبیاء کرام کے مختصر حالات زندگی سے آگاہی حاصل ہونا چاہیے۔ اس ماہ سے ادارہ آبگینے خواتین ڈائجسٹ خاص طور پر ماؤں سے درخواست کرتا ہے کہ انبیاء کرام کی ان پیاری کہانیوں کو رات سونے سے قبل بچوں کو سُنایا کریں۔ تاکہ بچوں کو خدا کے ان پیاروں کے حالات کا علم ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں ان انبیاء کے حالات زندگی سے ان کے پاکیزہ اخلاق کو سیکھنے اور اپنی زندگیوں کو حصہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اس سلسلہ کا پہلا مضمون انبیاء کرام کی ترتیب کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا جا رہا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام

یہ دنیا جس میں ہم رہتے ہیں بہت خوبصورت ہے جو آج سے کروڑوں سال پہلے اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آئی اور مختلف ادوار سے گزرتے ہوئے آج اس حالت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

آج سے کوئی سات ہزار سال پہلے کا واقعہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی غیر منظّم اور پراگندہ حالت پر رحم فرمایا اور اس دور کے سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا۔ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور مدد سے اس دور کے پہلے خوبصورت معاشرے کا قیام فرمایا۔ جہاں سب آپس میں بھائیوں کی طرح محبت سے رہنے لگے اور اپنے خدا کی عبادت کرنے لگے۔

پیارے بچو! کچھ گندے لوگ جنہیں اس معاشرے کو سکون، پیار اور محبت بُرا لگنے لگا اور وہ حسد کی آگ میں جلنے لگے۔ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے خلاف مختلف سازشیں کرنا شروع کر دیں کہ کسی طرح اس جنت کو، جو آپؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر بڑی مشکل سے بنائی تھی تباہ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے، جو تمام لوگوں کے دلوں کے حال جانتا ہے، حضرت آدم علیہ السلام کو ان شیطان صفت لوگوں سے ہوشیار رہنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ان لوگوں سے تعلق نہیں جوڑنا۔

چنانچہ جب ان شیطان صفت گندے لوگوں نے دیکھا کہ اس طرح ہم حضرت آدم علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھیوں کو شکست نہیں دے سکتے تو انہوں نے صلح کی پیشکش کی۔ تب پیارے بچو! حضرت آدم علیہ السلام کے بعض ساتھیوں نے غلطی سے ان لوگوں سے دوستی کر لی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شیطان صفت لوگ آپؑ کے جنت نظیر معاشرے میں گھس گئے اور انہوں نے قوم میں فتنہ پیدا کرنا شروع کر دیا اور بہت بڑا فساد پیدا ہو گیا۔

تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! ہم نے تمہیں ان لوگوں سے تعلق جوڑنے سے منع کیا تھا پھر بھی تم نے غلطی کی اور ان سے تعلق جوڑا۔ اب ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ یہاں سے چلے جاؤ اور زمین میں پھیل جاؤ تاکہ یہ فتنہ اور فساد مزید نہ بڑھے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھیوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اس جگہ کو چھوڑ دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام اپنے ساتھیوں کی غلطی پر سخت غمگین تھے۔ آپؑ خدا تعالیٰ کے سامنے جُھک گئے اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرنے لگے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف آپؑ کو معاف کر دیا بلکہ مزید ترقی کے راستے بھی بتائے۔ یوں اللہ تعالیٰ کے یہ نیک اور بزرگ نبی اپنا کام پورا کرتے ہوئے وفات پا گئے۔

❁❁❁

غزل

منزہ مظفر (پاکستان)

کرونا کا اک دور آیا
سب کو اس نے بہت ستایا
چین اور امریکہ سے یہ اڑ کے آیا
دنیا میں اس نے اک قہر مچایا
حال و بے حال کیا سب کو
ہر سو پریشانی کا بادل چھایا
بازار اور گلیاں سب بند ہوئے
سب کو اس نے گھر پہ ٹھرایا
ماں باپ بہن بھائی سب ہو گئے جدا
رشتوں کو اس نے نشانہ بنایا
بچھڑ گئے ایک دوسرے سے انسان
ایسا بھیانک اس نے وار کیا

❁❁❁

دنیا میں بکنے والے مشہور پکوان

تحریر: اریبہ سہیل

آخری قسط

جاپان:

ٹیکنالوجی اور سخت محنت جاپان کے بارے میں عام طور پر یہ دو چیزیں بہت مشہور ہیں۔ یہ سخت محنت جاپانی کھانوں میں بھی نظر آتی ہے۔ یہاں کے مقامی تہواروں میں اوا اڈوری، گیئون، ادموری نیبوتا اور کشی وارا دنجیتی شامل ہیں جہاں خوشی، سرمستی اور لذیذ کھانوں کی بہتات آپ کو ایک منفرد اور ناقابلِ فراموش تجربے سے گزارتی ہے۔ یہاں کے مشہور ترین کھانوں میں ٹاکویاکی (تلا ہوا آکٹوپس) کاروکی اور اوکونومی یاکی شامل ہیں جو آپ کو باآسانی ہر شہر کے بازاروں اور گلی کوچوں میں مل جائیں گے۔ اگر آپ جاپان جائیں تو ان کھانوں کو ضرور کھائیں۔

نیدرلینڈز:

ہم سب ڈچ موسیقی کو سنتے اور سراہتے ہیں مگر ہمارے لئے یقیناً حیرت کا مقام ہوگا جب ہم یہ جانیں گے کہ ڈچ لوگ کھاتے کیا ہیں، یہاں کے حسین وجمیل نظاروں سے لے کر مزے دار کھانوں اور مشروبات تک جمالیات کی ایک شاندار دنیا آباد ہے۔ نیدرلینڈز کے روایتی کھانوں اور خاص طور پر میٹھے پکوانوں کے پیچھے ایک طویل تاریخ اور تہذیب موجود ہے۔ سستے اور عوامی ڈچ کھانوں کی فہرست میں شامل ہیرنگ (مچھلی کی ایک ڈش) کیبلنگ (تلی ہوئی مچھلی) پوفرٹجیس، اسٹیمپوٹ (کچلے ہوئے آلوؤں کی ایک ڈش) اور دیگر کھانے شامل ہیں۔

سعودی عرب:

عرب باشندوں کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ان کے روایتی پکوان مسالہ جات اور تیکھے مزے سے محروم ہوتے ہیں اور وہ مسالے دار کھانوں کے مقابلے میں میٹھے کھانوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ سعودی عرب کے گلی کوچوں میں مقبول ترین عوامی کھانوں میں مطابق (کیک کی شکل) حمس اور کنافا شامل ہیں۔ اس کے علاوہ سعودی عرب میں چونکہ سارا سال ہی زائرین، سیاحوں اور دیگر عقیدت مندوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے اس لئے سعودی عرب کے بازاروں اور گلی کوچوں میں مختلف ممالک کے روایتی کھانے بھی دستیاب ہوتے ہیں۔

پاکستان:

برصغیر کا حصہ ہونے کے باعث پاکستان ایک عرصے تک مغلیہ دورِ حکومت کے زیر اثر رہا ہے اس لئے مغل بادشاہوں کے مطبخ سے نکلنے والی تیکھے مسالوں کی خوشبو اور ذائقے پاکستانی کھانوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی کھانوں میں تیکھے، کرارے، مسالے دار اور میٹھے پکوانوں کی وسیع تعداد اور تنوع پایا جاتا ہے۔ پاکستان میں کھانوں کا شعبہ ایک انتہائی اہم شعبہ مانا جاتا ہے۔ یہاں کے گلی کوچوں اور بازاروں میں ملنے والے کھانوں کی فہرست خاصی طویل ہے۔ یہ سستے اور مزے دار عوامی کھانے آپ کی توجہ کھینچتے ہیں اور ان کی اشتہا انگیز خوشبو آپ کی بھوک کو بڑھاتی ہے۔ ان سستے عوامی کھانوں میں بن کباب، بھٹہ، آلو چھولے، دہی بڑے، چناچاٹ، نان چھولے، سیخ کباب، چکن تکہ، شوارما، فالودہ اور دیگر مزیدار کھانے شامل ہیں۔

جرمنی:

جرمن قوم کسی بھی ملک کے مقابلے میں سب سے زیادہ تہوار مناتی ہے۔ یہاں سارا سال ہی کوئی نہ کوئی تہوار چلتا رہتا ہے۔ لہٰذا تہواروں کے موقع پر رنگا رنگ کھانے نہ ہوں تو ایسا ہو ہی نہیں سکتا یہاں جتنے زیادہ تہوار ہیں اتنے ہی زیادہ کھانے بھی ہیں۔ جرمن باشندے اپنے روایتی کھانوں کے حوالے سے کمال مہارت کے حامل ہیں۔ اس لئے تہواروں کے موقع پر بڑے پیمانے پر جرمنی کے روایتی کھانے تیار کئے جاتے ہیں یہاں یونٹی ڈے، اکتوبر فیسٹ، ورسٹ مارکٹ، ہیفنگ برسٹ سمیت متعدد تہوار منائے جاتے ہیں جن میں جرمنی کی تہذیب وتمدن کے رنگ دکھائے دیتے ہیں۔ ان تہواروں میں جہاں رنگارنگ کھانے پیش کئے جاتے ہیں وہیں جرمنی کے عوامی مقامات اور گلی کوچوں میں بھی متعدد سستے عوامی کھانے پیش کئے جاتے ہیں جنہیں چلتے پھرتے یا وہیں بیٹھ کر کھایا جاسکتا ہے۔ ان کھانوں میں اسپاٹزل، براٹ ورسٹ، کری ورسٹ اور دیگر انڈے اور گوشت سے بنے پکوان شامل ہیں۔

❁❁❁

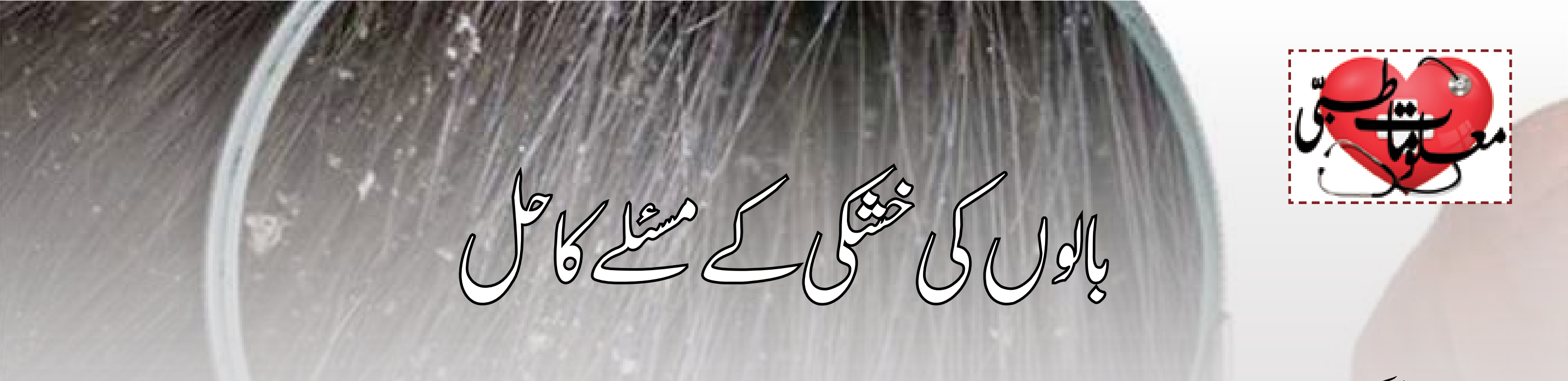

بالوں کی خشکی کے مسئلے کا حل

بالوں میں خشکی یا ڈینڈرف ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی وجہ سے اکثر لوگ پریشانی کا سامنا کرتے ہیں، یہ خشکی قدرتی طور پر انسان کی جلد پر ہوتی ہے۔ تاہم، آپ یہ بات جان کر حیران ہوں گے کہ خشکی بنیادی طور پر فنگس کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہ مسئلہ کئی بار اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اس سے باہر نکلنا مشکل ہوجاتا ہے۔ ڈینڈرف انسان کے لیے سماجی سطح پر شرمندگی کا سبب بھی بن جاتی ہے۔

بالوں میں خشکی سے نمٹنے کے کچھ موئثر طریقے:

بالوں میں خشکی جس فنگس کی وجہ سے ہوتی ہے، اسے مالاسیزیا گلوبوسا کہتے ہیں۔ یہ فنگس سر کی جلد اور بالوں کا تیل جذب کرلیتی ہے اور اس دوران اولئیک ایسڈ بھی پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے جلد پر خارش ہوسکتی ہے۔ اولئیک ایسڈ انسان کے مدافعتی عمل کو بھی کم کردیتا ہے، جس کے نتیجے میں سر کی سطح پر بھوسی جیسے سفید چھلکے پیدا ہوجاتے ہیں۔ یہ چھلکے سر کی سطح پر جمع ہوتے ہوتے، ذرات کی شکل میں شانوں پر گرنے لگتے ہیں۔ اس صورتحال پر قابو پانے کے لیے سورج سے نکلنے والی شعائیں (UV Rays) مددگار ثابت ہوسکتی ہیں۔ ایسے میں اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ سر پر تیل لگانا چاہیئے جبکہ ایس کرنا بالکل بھی اچھا نہیں تاہم، کچھ کیمیکلز ہیں جو کہ خشکی کو ختم کرسکتے ہیں۔ ان کیمیکلز میں سب سے زیادہ موئثر اینٹی فنگل کیمیکلز، مائیکونازول اور کیٹوکونازول ہیں۔ کیٹوکونازول کیمیکل کو شیمپو میں استعمال ہوتا ہے جبکہ مائیکونازول فی الحال صرف کریم کی صورت میں دستیاب ہے۔

خشکی سے بچاؤ کے لیے موئثر اینٹی ڈینڈرف شیمپو:

بالوں کی خشکی سے بچاؤ یا اس پر قابو پانے کے لیے ایسے مندرجہ ذیل کیمیکلز پر مشتمل شیمپو استعمال کیے جاسکتے ہیں:- 1 کیٹوکونازول-2 سیلیسیلک ایسڈ-3 سیلینیم سلفائیڈ-4 زنک پائیر یتھیون-5 کول ٹار

صحت مند جِلد کے حصول کیلئے شرطیہ نسخہ

ماہرین جلدی امراض وغذائی ماہرین کی جانب سے صحت مند جلد کے لیے وٹامن سی اور اومیگا تھری فیٹی ایسڈ کو اہم ترین اجزا قرار دیا جاتا ہے۔

دوسری جانب بیوٹیشنز کا بھی کہنا ہے کہ میک اپ کا اچھا لگنے کے لیے سب سے پہلے جِلد کا قدرتی طور پر اچھا اور صحت مند ہونا ضروری ہے ورنہ میک اپ کے بعد بھی خوبصورت لگنا ناممکن ہے۔

ایسی صورت میں مستقبل قریب میں دُلہن بننے والی یا پھر شادی یا کسی بھی تقریب میں شرکت کرنے والے افراد بھی اگر اپنی غذا میں وٹامن سی اور اومیگا تھری کا استعمال بڑھادیں تو اس کے نتائج متاثر کُن ثابت ہوسکتے ہیں۔

غذائی ماہرین کے مطابق اگر کسی تقریب کے انتظار میں ہیں یا دُلہن بننے والی ہیں، ایسی صورت میں ایک سے ڈیڑھ مہینہ پہلے ہی ایک مارننگ ڈرنک کا باقاعدگی سے استعمال شروع کردیں جس سے نا صرف جسمانی اعضاء سے مضر صحت مادوں کی صفائی ممکن ہوگی، ساتھ میں اضافی وزن میں کمی بھی آنے لگے گی۔

صحت مند اور خوبصورت جِلد کے حصول کے لیے ایک گھنٹے کے لیے ایک چمچ چیا سیڈز کو پانی میں بھگو کر رکھ دیں، ایک گھنٹے بعد اس میں ایک عدد لیموں کا رس شامل کریں اور ناشتے سے ایک گھنٹہ قبل استعمال کرلیں۔

اس مارننگ ڈرنک سے نا صرف اسکن صاف شفاف ہوگی بلکہ مرجھائے بالوں اور ٹوٹتے ناخنوں کی صحت اور خوبصورتی بحال ہوجائے گی۔

ماہرین کی جانب سے تجویز کیا جاتا ہے کہ اگر اس ڈرنک کے استعمال کے ساتھ غذا میں زیادہ سے زیادہ کچی سبزیوں کا استعمال، باہر کے کھانوں اور مرغن غذاؤں سے پرہیز اور روزانہ آدھا گھنٹے چہل قدمی بھی کرلی جائے تو آپ کو آنے والی تقاریب میں خوبصورت لگنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

آئیں اردو سیکھیں

مدثرہ عباسی اردو/انگریزی ٹیچر فارن اینڈ کامن ویلتھ آفس UK

Functional Phrases for Speaking

We hope you find this list of functional phrases for speaking useful. Please use it wisely, after particular consideration to the following:

List of Functions:

Apologising,

Accepting an apology,

Answering a point/Reformulating,

Asking for clarification

Note: We will continue the list in our next volume

Apologising

English	Target Language
I'm afraid...	مجھے افسوس ہے
Sorry for…	معذرت کہ
I'm very sorry.	مجھے بہت افسوس ہے
I really am very sorry indeed.	میں حقیقت میں معذرت خواہ ہوں کہ
Please pardon my/our...	مہربانی سے مجھے معاف کیجیے
Please accept my/our (sincerest) apologies.	میری معذرت قبول کریں
We regret any inconvenience for…	آپ کو زحمت ہوئی اس کے لئے مجھے افسوس ہے

Accepting an apology

English	Target Language
It doesn't matter.	اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا
That's all right.	سب ٹھیک ہے
Never mind.	کوئی بات نہیں
These things happen.	ایسا ہوجاتا ہے
Apology accepted, thank you.	معذرت قبول کرلی۔شکریہ
Thank you for that acknowledgement.	اس اعتراف کے لئے آپ کا شکریہ

Answering a point/Reformulating

English	Target Language
To answer your point, …	آپ کی بات کے جواب میں...
To respond to your/that question, …	آپ کے اس سوال کے جواب میں...
There's no simple answer to that, but…	اس کا جواب آسان نہیں ہے، لیکن...
I would like to answer by saying that…	میں یہ کہہ کر جواب دینا چاہوں گا/گی کہ...
Let me explain by saying that…	مجھے یہ کہہ کر وضاحت کرنے دو...

DANISH HOMES.ca
THE # 1 RESOURCE TO SELL & BUY PROPERTY
647 400 1700
Canada's
PREMIUM HOME SELLING SYSTEM
WE OFFER:
1 - Priority Access to buy a Pre-Construction Condo or House anywhere in Canada
2 - Deal with all top Lenders of Canada to arrange Financing
3 - Property Management and Lease arrangement
4 - Arrangement of Legal advise to buy or sell Property
5 - Construction and Development of Your Dream Home
DANISH CHAUDHRY
Direct: 647 400 1700 / Team: 647 723 9900

ZINGMAAR
EASY TO FOLLOW
UNIQUE RECIPES FROM
AROUND THE WORLD
FOLLOW @ZINGMAAR

ISSUE
FEB/MARCH 2022
Vol-3 | Issue-6-7
JAMADI-U-SSANI
RAJAB - SHABAAN

AABGEENEI

MONTHLY KHAWATEEN DIGEST

An Educational and Literary Magazine For Social and Religious affairs

Under the supervision of
ABBASI ACADEMY

Editor
Mudessera Abbasi

Incharge of Gosha Adab
Humaira Nighat

Incharge of Bacchon Ka Gulistan / Pakwan
Eeshatur-Razia Abbasi

Chief executive Mohiuddin Abbasi

www.aabgeenei.com

Printed from London